

عزم وہمت اور صبر و استقامت کے
88 سال



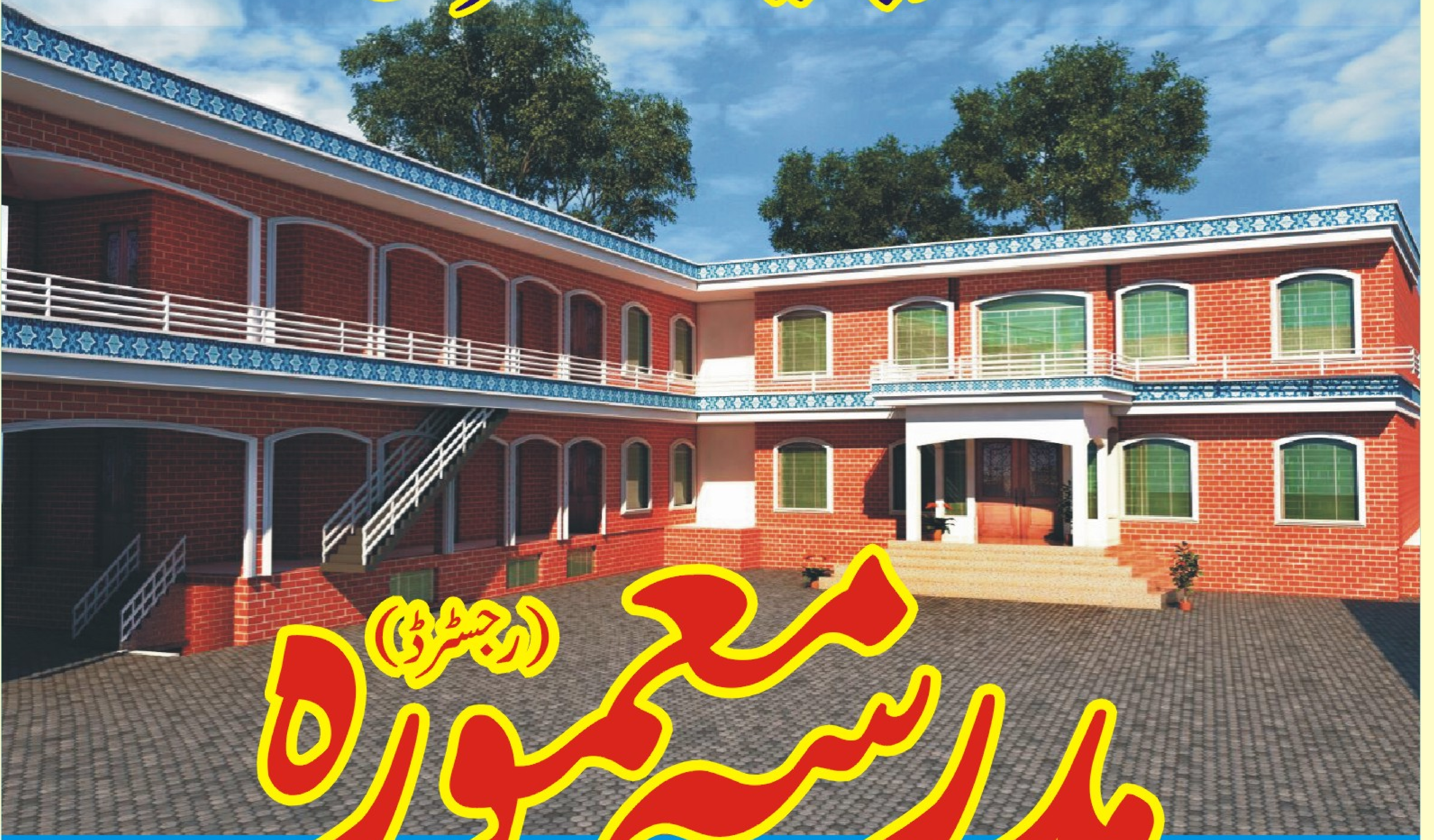
12 ربیع الثانی 1440ھ —— دسمبر 2018ء

وكلمة الله هي العليا

وجعل كلمة الذين كفروا السفلى

’’اور کافروں کی بات کو پست کیا اور بات تو خدا ہی کی بلند ہے۔‘‘ (التوبہ،۴۰)

تعمیر جدید دار القرآن



مدرسہ معمورہ (رجسٹرڈ)

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

تخمینہ لاگت ایک کروڑ پچاس لاکھ روپے

بیسمنٹ کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے فرسٹ فلور کی تعمیر جاری ہے

رابطہ برائے ترسیل زرتعاون: **سید محمد کفیل بخاری** (ناظم مدرسہ معمورہ)

بذریعہ چیک، ڈرافٹ، آن لائن: بنام مدرسہ معمورہ: اکاؤنٹ نمبر

A/C # 5010030736200010

Branch Code : 0729

THE BANK OF PUNJAB

بذریعہ اے ٹی ایم ٹرانسفر: **07290160065740001**

اعلان

ماہنامہ ’’نقیب ختم نبوت‘‘ ملتان، تیس برس سے (2018-1988) الحمدللہ باقاعدگی سے شائع ہورہاہے اوراپنے قارئین کوعقائداہل سنت والجماعت، سیرت وتاریخ، حالات حاضرہ، تاریخ احرار پرعلمی مضامین بالخصوص محاسبۂ قادیانیت، دہریت و لادینیت کے حوالے سے فکر انگریزتحاریرپیش کررہاہے۔گزشتہ کئی برس سے مہنگائی کے باوجودادارہ نے رسالے کی قیمت میں اضافہ نہیں کیااورخودپراس بوجھ کوبرداشت کررہاہےلیکن اب کاغذ، طباعت اورڈاک کے اخراجات میں روزافزوں اضافے سے ادارہ کونقصان ہورہاہے جسکا ادارہ متحمل نہیں لہٰذا جنوری 2019ء سے ماہنامہ ’’نقیب ختم نبوت‘‘ کی قیمت فی شمارہ 30 روپےاورزرسالانہ 300 روپے ہوگا۔امید ہےاحباب وقارئین پہلے کی طرح تعاون جاری رکھیں گے۔

منجانب: سرکولیشن منیجر

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد: سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 29 شمارہ 12 دسمبر 2018ء / ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ

Regd.M.NO.32

تشکیل

رابطہ

دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت مجلس احرار اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

نیا پاکستان......اہلیت، صلاحیت اور منصوبہ بندی سے محروم حکمران

سید محمد کفیل بخاری

چیف جسٹس آف پاکستان میاں ثاقب نثار نے بنی گالہ میں تجاوزات سے متعلق کیس کی سماعت کے دوران ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ!

''حکومت کے پاس اہلیت ہے نہ صلاحیت اور نہ ہی منصوبہ بندی۔ نیا پاکستان کیسے بنے گا؟

نیب سب کو پکڑے یا سب کو چھوڑے، دونوں آنکھیں کیوں نہیں کھولتا، پکڑنے اور چھوڑنے کا فیصلہ کون کرتا ہے؟

منرل واٹر نہیں، بوتل میں بند پانی ہے، چار دفعہ میں نے منرل واٹر میں ملاوٹ پکڑی ہے، پانی کی کمپنیاں بند کردیں، ہم گھڑے کا پانی پی لیں گے۔

سی ڈی اے، عدالتی حکم کی آڑ میں لوٹ مار کر رہا ہے، بہت ہی نیا پاکستان بن رہا ہے۔''

(روزنامہ جنگ ملتان، 14 نومبر 2018ء)

موجودہ حکومت کے بارے میں یہ حزب اختلاف کے کسی رہنما کا بیان نہیں بلکہ چیف جسٹس آف پاکستان کے ریمارکس ہیں۔ کیا فرماتے ہیں نئی نویلی سہ ماہی عمر یا حکومت کے وزراء اور ان کے حمایتی حاشیہ بردار؟

محترم چیف جسٹس کے ریمارکس حکومتی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ حکومت ایک خاص ایجنڈے کی تکمیل کے لیے ہی قائم ہوئی ہے۔ قانونِ توہین رسالت میں تبدیلی کی کوشش، آسیہ ملعونہ کی رہائی، قادیانیت کے تحفظ کی مذموم کوششیں، حکومت کے زیر اہتمام ختم نبوت کانفرنس کا اعلان اور پھر عنوان تبدیل کر کے ''عالمی رحمۃ اللعالمین کانفرنس'' کے انعقاد کا اعلان، اسرائیلی طیارے کی پاکستان میں خفیہ آمد کے سوال پر حکومتی ذمہ داران کی آئیں بائیں شائیں وضاحت، پی ٹی آئی کے حامی لیفٹیننٹ جنرل (ر) امجد شعیب کی اسرائیل سے تعلقات قائم کرنے کے حق میں ایک تقریب میں گفتگو، پی ٹی آئی کی رکن اسمبلی عاصمہ حدید کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حق میں قومی اسمبلی میں تقریر اور قرارداد۔ کیا یہ سب کچھ ''معمول کی مشقیں'' ہیں یا استعماری ایجنڈے کی منظم منصوبہ بندی کے ساتھ تکمیل ہو رہی ہے۔ محترم چیف جسٹس نے جس اہلیت، صلاحیت اور منصوبہ بندی کے فقدان کا ذکر کیا ہے حکمران یقیناً اس سے محروم ہیں کیونکہ اس کا تعلق تو اپنے دین و مذہب، ریاست کے نظریہ و مقصد اور اس کے ساتھ غیر متزلزل وابستگی سے مشروط ہے۔ جبکہ موجودہ حکمران ریاست کی انہی بنیادوں کو منہدم کرنے کے درپے ہیں۔ ایجنڈا عالمی استعمار کا اور منصوبہ بندی بھی انہی کی، حکمران تو استعمار کے شو بوائے یا روبوٹ معلوم

ہوتے ہیں۔

ملعونہ آسیہ مسیح کو سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ سے توہین رسالت کی سزا ہوئی، اب سپریم کورٹ نے ٹیکنیکل بنیادوں پر اُسے بری کر دیا۔ پوری قوم نے اس فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے اسے بیرونی دباؤ کا شاخسانہ قرار دیا۔ قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ اس کیس کے لیے لارجر بینچ سماعت اور فیصلے سے پہلے تشکیل دیا جا سکتا تھا، فیصلے کے بعد ممکن نہیں، دوسرا یہ کہ فاضل جج صاحبان کو علماء سے رائے لینی چاہیے تھی، فیصلہ متفقہ دینی رائے سے ہونا چاہیے تھا۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کہ محفوظ فیصلہ 31 راکتوبر 2018ء کو سنایا گیا جو غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یوم شہادت تھا۔ یہ مسلمانوں کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے۔ اب کوئی لارجر بینچ بن سکتا ہے نہ جج تبدیل ہو سکے ہیں اور نہ حکومت نظر ثانی کی اپیل کر سکتی ہے۔ کیونکہ اپیل کا حق مدعی کو حاصل ہے۔ لہذا ملعونہ کو ملک سے باہر بھیج دیا جائے گا۔ ویٹی کن اور پوری صلیبی دنیا اس کی منتظر ہے۔ یہ ایک افسوسناک صورتِ حال ہے کہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ممتاز قادری شہید کو پھانسی دے دی گئی اور گستاخ رسول آسیہ ملعونہ کو رہا کر دیا گیا۔ جس پر پاکستان کے عوام مضطرب، بے قرار اور سراپا احتجاج ہیں۔ فوج، پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کی محافظ ہے اور قوم کو فوج پر اعتماد ہے لیکن نظریاتی سرحدوں پر بیٹھے لوگ مشکوک اور نا قابل اعتماد ہیں۔ عالمی استعمار ان کے ذریعے پاکستان کی نظریاتی اساس منہدم کرنے کی سازش کر رہا ہے۔ حکمران آئینی حلف کی پاسداری اور قانون پر عمل کریں، ہوش کے ناخن لیں اور مغربی ایجنڈے کی تکمیل سے باز آجائیں۔ ورنہ ملک میں انارکی، افراتفری اور انتشار پھیلے گا

بانیٔ پاکستان محمد علی جناح نے کہا تھا!

''اسرائیل ناجائز ریاست ہے، یہ امت مسلمہ کے قلب میں خنجر گھسایا گیا ہے، پاکستان اسے کبھی تسلیم نہیں کرے گا۔''

مصورِ پاکستان علامہ محمد اقبال نے فرمایا!

ہے خاک فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا

لیکن حکمران، قائد اور مفکر پاکستان کے علی الرغم نیا پاکستان بنانے جا رہے ہیں۔ یہی صورت حال رہی تو انجام گلستاں کیا ہوگا؟ اللہ خیر کرے۔

آہ! حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ

عظیم دینی ادارہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم جمعیت علماء اسلام (س) کے امیر حضرت مولانا سمیع الحق رحمۃ اللہ علیہ کو 23 رصفر 1440ھ / 2 رنومبر 2018ء بروز جمعہ عصر کے وقت بحریہ ٹاؤن راولپنڈی میں ان کی رہائش گاہ میں نامعلوم درندوں اور ظالموں نے شہید کر دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا سمیع الحق رحمۃ اللہ علیہ اپنے عظیم والد محدث کبیر حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہٗ کی عظیم نشانی اور ان کے علمی وسیاسی جانشین تھے۔ مولانا کی شخصیت سے تعارف بچپن میں ان کے جریدے ''ماہنامہ الحق'' کے ذریعے ہوا، ان کی علمی تحریروں نے جہاں اہلِ علم کو متأثر کیا وہاں ہم جیسے طالب علم بھی متأثر اور ان کے گرویدہ ہوئے۔ مولانا سے کئی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ سیاسی اجتماعات میں بھی اور دارالعلوم حقانیہ میں نجی مجالس میں بھی۔ وہ انتہائی خلیق اور ملنسار انسان تھے۔ انہوں نے جامعہ حقانیہ میں آخری ملاقات میں فرمایا کہ:

''میں تو درس وتدریس اور قرطاس وقلم کا آدمی تھا، دوست مجھے سیاسی میدان میں گھسیٹ لائے۔ سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے میرے کئی علمی کام معلق ہوکر رہ گئے ہیں، میری خواہش ہے کہ سیاست سے جان چھڑا کر انہیں مکمل کروں۔''

الحق کے اداریے، مشاہیر کے مکاتیب، مشاہیر کے خطبات ان کا عظیم علمی ورثہ ہے، جن سے نژادِ نو استفادہ کرتی رہے گی اور اپنے فکری راستوں کو اجالتی رہے گی۔ آخری دنوں میں وہ شیخ التفسیر امام احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہٗ کے تفسیری افادات مرتب فرما رہے تھے۔ جو تقریباً تکمیل کے مراحل میں تھے۔ امید ہے کہ آپ کے جانشین مولانا حامد الحق حقانی، مولانا راشد الحق حقانی اور آپ کے بھتیجے مولانا عرفان الحق اسے جلد مکمل کر کے مولانا کی روح کو تسکین پہنچائیں گے۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ سے بہت گہرا تعلق تھا۔ وہ جامعہ حقانیہ کے سالانہ جلسے میں تشریف لے جایا کرتے، جامعہ میں امیر شریعت کی ایک تقریر حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب کر کے شائع کی تھی۔ حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تقریر مجھ سے منگوائی اور پھر اپنی کتاب مشاہیر کے خطبات میں شامل کی۔ ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ جامعہ حقانیہ میں حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں سند حدیث اور اجازت حدیث عطاء فرمائی۔ حضرت مولانا سمیع الحق شہید نے اپنے والد ماجد رحمہ اللہ کی محبت کو زندہ رکھا، وہ ابناء امیر شریعت اور مجھ عاجز کو بھی اسی شفقت سے سرفراز فرماتے۔ آخری ملاقات میں نماز ظہر جامعہ حقانیہ کی مسجد میں ان کے ساتھ ادا کی اور پھر وہ مجھے الوداع کرنے سواری تک آئے۔ یہاں تک کہ کار کا دروازہ خود کھولا۔ راقم تعزیت کے لیے جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک حاضر ہوا تو حضرت مولانا شہید کے فرزندان مولانا حامد الحق، مولانا راشد الحق، آپ کے بھائی شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق آپ کے بھتیجوں، خاندان کے دیگر افراد، رفقاء واحباب اور طلباء کے مثالی صبر وحوصلہ کو دیکھ کر مجھے بھی حوصلہ ملا۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے اور صبر پر اجر عظیم عطاء فرمائے۔ آمین

اب یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قتل کا سراغ لگائے اور قاتلوں کو گرفتار کر کے عبرتناک سزا دے۔

☆......☆......☆

حضرت اُمِّ ایمن......رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انّا قسط:۲

مولانا ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی

غزواتِ نبوی میں شرکت:

ایک تاریخی واقعہ اور نبوی سنت یہ رہی ہے کہ عہدِ نبوی میں خواتین غزوات میں شرکت کیا کرتی تھیں، عام خواتین کے علاوہ ازواجِ مطہرات کی بعض غزوات میں شرکت وخدمت کی ناقابلِ تردید روایات ملتی ہیں، ان کا غزوات اور بعض سرایا میں جانا محض رفاقت کی بنا پر نہیں تھا جیسا کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے، بلکہ وہ خدمت اور فوجی فرائض کی بجا آوری بھی کرتی تھیں اور بعض خواتین نے تو باقاعدہ سیف وسنان کے ساتھ جہاد بھی کیا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہاشمی نے اپنے قلعۂ حفاظت میں ایک دشمن کو مار گرایا تھا، میدانِ جنگ میں ان کی موجودگی، کارگردگی اور خدمت گزاری بابِ جہاد کا ایک حسین ترین عنوان ہے اور وہ سچ بات یہ ہے کہ ایک الگ تحقیقی مطالعے کا موضوع ہے۔

اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا، انھیں مجاہدات اور سرفروش خواتین میں سے ایک تھیں، جنھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض غزوات میں شرکت کی تھی اور جہاد وقتال کے میدان میں اپنے حصے کا فریضہ انجام دیا تھا، ان کا زیادہ تر کام زخمیوں کی دوا دارو کرنا اور سپاہیوں کو پانی پلانا وغیرہ وغیرہ فوجی کام ہی بتایا گیا ہے، لیکن قوی امکان ہے کہ اس کے علاوہ بھی انھوں نے اور دوسرے فرائض انجام دیے ہوں کہ میدانِ جنگ اپنے خاص تقاضے رکھتا ہے۔

غزوۂ بدر میں خواتین بالخصوص حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا کی شرکت کا سوال نہیں پیدا ہوتا کہ اصلاً رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے جنگ کے لیے نہیں تشریف لے گئے تھے بلکہ شام سے واپس آنے والے قریشی کارواں کے ارادے سے گئے تھے، بدر کی جنگ بلا ارادہ ومنصوبہ پیش آ گئی تھی، لہٰذا اس میں مرد غازیانِ کرام کی شرکت ہی ضرورت سے کم تھی تو خواتین کی شرکت کیا ہوتی، البتہ بعد کے دوسرے غزوات منصوبہ بند تھے اور ان میں خواتین بھی باقاعدہ شریک کی گئی تھیں، حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا کی شرکت جہاد کی روایات غزواتِ اُحد، خیبر وحنین وغیرہ کے حوالے سے ملتی ہیں۔

غزوۂ اُحد ۳ھ/۶۲۵ء:

ابن سعد نے واقدی کی روایت میں صرف یہ بیان کیا ہے کہ حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا نے جنگِ اُحد میں شرکت کی، وہ پانی پلاتی اور زخمیوں کا دوا دارو کرتی تھیں۔ (۴۶) مگر بلاذری نے اس واقعے کے ساتھ دوسرا دلچسپ جنگی واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انّا حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا، انصار کی کچھ خواتین کے ساتھ مسلمانوں کو پانی پلا رہی تھیں، دشمن سپاہی حبان ابن العرقہ نے ان کو تیر کا نشانہ بنایا، جس نے ان کے دامن کے ذیل کو زمین میں پیوست

کر کے ان کا ستر کھول دیا، دشمن اپنی حرکتِ ناشائستہ پر خوب ہنسا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص زہری رضی اللہ عنہ کو ایک تیر دے کر فرمایا کہ اس کا نشانہ لو، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تیر چلایا جو اس کو جا لگا اور اس کا کام تمام کر دیا، وہ لڑھک کر گرا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک کھل گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سعد! نے ان کا بدلہ لے لیا، پھر ان کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمھاری دعا کو ہمیشہ قبول فرمائے اور تمھاری تیر اندازی کو پکّا کر دے۔(۴۷) دوسری خواتینِ احد تھیں: حضرت اُمّ سلیم بنت ملحان، حضرت عائشہ، حمنہ بنت جحش اور حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہن۔

اسی غزوہ کا ایک اور واقعہ بلاذری نے یہ نقل کیا ہے کہ غزوۂ اُحد میں قریشی شہ سوار دستے کے اچانک حملے کی بنا پر جب افراتفری پھیل گئی اور کچھ مسلمان مجاہدوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو حضرت اُمّ ایمن بھاگنے والوں کے چہروں پر خاک پھینک کر ان کو غیرت دلانے لگیں: ''بھگوڑو کہاں بھاگے جاتے ہو، واپس لوٹو۔(۴۸)

واقدی کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ وہ دو بار میدانِ جنگ تشریف لے گئی تھیں اور اُن کے ساتھ بعض دوسری خواتین بھی تھیں، قلعۂ حفاظت سے حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہاشمی نے مسلمانوں کی ہزیمت کا دل دوز نظارہ دیکھنے کے بعد جب میدانِ جنگ کا رخ کیا تو بنو حارثہ کے محلے میں اُن کی ملاقات حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا اور بعض انصاری خواتین سے ہوئی اور وہ سب دوڑ کر خدمتِ نبوی میں پہنچیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیریت دریافت کی۔(۴۹)

غزوۂ مُرَیسیع:

۵ھ/۶۲۷ء میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اہم قبیلے بنو المصطلق کے خلاف فوجی کارروائی کی، اس کو مقامِ جنگ کے نام سے موسوم کر کے بالعموم غزوۂ مُریسیع کہا جاتا ہے، یا قبیلے کی طرف نسبت دے کر غزوۂ بنو المصطلق کا نام دیا جاتا ہے۔غزوے سے واپسی کے سفر میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بعض منافقین نے تہمت لگائی، جس کا شکار بعض مسلمان بھی ہو گئے۔مدینے واپس آ کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعۂ اِفک کی تحقیق فرمائی اور اپنے اہلِ بیت کے مردوں اور عورتوں سے مشورہ کیا، مردوں کے علاوہ خواتین میں حضرت بریرہ باندی (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کی اور اسی طرح دوسری زوجۂ مطہرہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اعلیٰ کردار، پاک وصاف زندگی اور عفت وطہارت کی بہت خوبصورت گواہی دی، پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا، ان کا جواب تھا: میرے کان و آنکھ محفوظ رہیں، میں نے ان کے بارے میں سوائے خیر کے نہ کچھ جانا اور نہ کچھ گمان کیا۔(**ثم سأل رسول اللّٰہ ﷺ اُمّ ایمن فقالت حاشی سمعی و بصری ان اکون علمت او ظننت بھا قط الا خیرا**)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ بیت کے ایک متفقہ اظہار و اعلانِ برأت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد خطبہ عطا فرمایا۔(۵۰) حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے استفسار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر کیا تھا۔

قیاس کہتا ہے کہ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا اس غزوے میں شریک تھیں اور دوسری خواتین اہلِ بیت بھی، جن سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کردار کے بارے میں تحقیق فرمائی تھی، روایات سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد صحابہ کرام اور خواتین صحابیات میں سے صرف مخصوص لوگوں سے ہی دریافت فرمایا تھا، نہ سب قریبی صحابہ سے اور نہ تمام اہلِ بیت و ازواجِ مطہرات سے، دوسرے جن سے تحقیقِ حال کی تھی اُن میں مرد و خواتین میں سے بیشتر کی شمولیت کی تصدیق ہوتی ہے، تیسرے یہ کہ واقعۂ افک ایک مخصوص مقام و موقع سے متعلق تھا، لہٰذا اس غزوے کے شرکاء سے ہی تحقیق حال منطقی لگتی ہے۔ ان وجوہ سے ان کی شرکت کا یقین ہوتا ہے۔

غزوۂ خیبر ۷ھ/۶۲۹ء:

ابنِ سعد نے صرف ایک جملے میں بیان کیا ہے کہ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا غزوۂ خیبر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھیں، اس کے علاوہ انھوں نے اس روایت کی کوئی تفصیل نہیں دی ہے، جیسی کہ غزوۂ اُحد کے بارے میں دی ہے۔ (۵۱) واقدی نے بیان کیا ہے کہ اس غزوے میں مدینہ سے بیس خواتین نے حصہ لیا تھا اور ناموں کی فہرست میں حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کا بھی نام لیا ہے۔

غزوۂ خیبر کے ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ ابنِ اسحاق کی سیرت میں ضمناً آ گیا ہے، حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت ایمن بن عبید خزرجی رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر میں شریک نہیں ہوئے اور وہ بنو عوف بن الخزرج کے ایک فرد و مردکار تھے: (**وكان قد تخلف عن خيبر وهو من بنى عوف بن الخزرج وكانت اُمه اُم ايمن مولاة رسول الله صلى الله عليه وسلم**).

حضرت اُم ایمن باوجود خاتونِ خانہ ہونے کے اس غزوے میں شرکت کی تھی، ان کو فرزندی کی بزدلی یا کوتاہی پر غصہ آیا اور انھوں نے فرزند کو سرزنش کی، حضرت حسان بن ثابت خزرجی نے حضرت اُم ایمن کی جناب میں ان کے فرزند کی طرف سے عذر پیش کیا اور چند اشعار میں اس کو ڈھال دیا:

على حين ان قالت لأيمن أمه	جبنت ولم تشهد فوارس خيبر
و أيمن لم يجبن ولكن مهره	أضرَّ به شرب المديد المخمر
ولولا الذى قد كان من شان مهره	لقاتل فيهم فارسا غير أعسر
ولكنه قد صده فعل مهره	و ما كان منه عنده غير ايسر

ابن ہشام کا تبصرہ ان اشعار پر یہ ہے کہ ابوزید نے یہ اشعار حضرت کعب بن مالک کے بطور ان کو سنائے تھے۔ (۵۲)

دوسرے غزوات میں حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کی شرکت خارج از امکان و بعید از قیاس نہیں ہے، خصوصاً اس روایت کے بعد کہ انھوں نے مجاہدینِ اسلام کو غزوۂ حنین کے موقع پر ثباتِ قدمی کی دعا دی تھی، مگر اپنی تنگیٔ زبان کے سبب ''ثبت'' کو ''سبت'' بنا دیا تھا اور اس کا ذکر ان کی عربی زبان میں غلطی کے حوالے سے آتا ہے، واقعات کی تاریخی ترتیب تقاضا

کرتی ہے کہ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا فتحِ مکہ اور غزوۂ حنین دونوں میں شریک تھیں، کیونکہ انھوں نے یہ دعا میدانِ جنگ میں جاتے وقت دی تھی، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اسلامی فوج کے ساتھ مکہ مکرمہ اور وہاں سے حنین گئی تھیں۔

سریۂ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ:

اپنی دنیاوی حیات طیبہ کے اواخر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کلبی کو سریۂ فلسطین کا امیر مقرر فرمایا، اس کا بنیادی مقصد رومیوں سے حضرت زید بن حارثہ کلبی کی شہادت اور ان کے رفقا کی الم ناک موت کا انتقام لینا تھا، واقدی کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ ۲۶ رصفر ۱۱ھ کو مسلمانوں کو ''غزوۂ روم'' کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا اور دوسرے دن منگل کو حضرت اسامہ بن زید کلبی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فوج کی کمان سونپی، اس کے ایک دن بعد ہی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شروع ہوگئی اور اسلامی لشکر اپنی منزل کے لیے روانہ نہ ہوسکا۔

اس دوران لوگوں کو باتیں بنانے اور تنقید کرنے کا موقع مل گیا اور بعض حلقوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر اعتراض کیا کہ وہ نوجوان اور غلام زادے ہیں اور اس سے قبل انھوں نے حضرت زید کلبی کی امارت پر اسی طرح اعتراضات کیے تھے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید اور ان کے فرزند حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما دونوں کی کی امارت کے لیے ان کی لیاقت کی تصدیق کی اور اپنے خطبۂ عالیہ میں معترضوں کے اعتراضات کو شدومد سے رد فرمادیا اور فوج کی امارت پر ان کو برقرار رکھا۔ (۵۳)

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا جو نوجوان امیر لشکر کی ماں تھیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوئی اور درخواست کی کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو لشکر گاہ میں قیام کرنے سے بچانے اور ان کی حالت سدھارنے کے لیے وقت عطا فرمایا جائے کہ موجودہ حالت میں وہ کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکیں گے، ان کا مقصد وہی تھا کہ ان کو امارت سے معاف کردیا جائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ لشکرِ اسامہ کو ضرور روانہ کیا جائے اور حضرت اسامہ کو لشکر گاہ کا حکم عطا فرمایا۔

و دخلت اُم ایمن فقالت : ای رسول اللّٰہ لو ترکت أسامة یقیم فی معسکرہ حتی تتمائل فان أسامة إن خرج علی حالتہٖ لم ینتفع بنفسہ فقال رسول اللّٰہ ﷺ انفذوا بعث اسامة. (۵۴)

حضرت اسامہ اپنے لشکر گاہ سے روانہ ہونے والے تھے کہ ان کی والدہ حضرت اُم ایمن کے قاصد نے ان کو اطلاع دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وقتِ آخر آ گیا، لہٰذا وہ مدینے اکابر صحابہ کے ساتھ لوٹ آئے، جن میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما شامل تھے:

فبینا اسامة یرید أن یرکب من الجرف أتاہ رسول اُمّ أیمن وھی أمہ ، تخبرہ أن رسول اللّٰہ یموت. (۵۵)

قیامِ مدینہ کے واقعات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّ ایمن کی زیارت کے لیے تشریف لے جانا:

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کرنا اوران کے گھر پابندی سے جانا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، ابنِ اثیر اور دوسرے اہلِ سیر وسوانح کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باقاعدہ ان کے گھر جا کر ان کی زیارت فرماتے تھے، **و کان یزورھا فی بیتھا.(۵۶)**

بظاہر یہ زیارت مدنی دور سے متعلق معلوم ہوتی ہے لیکن اس کو مطلق واقعہ اور مستقل سنت سمجھنا چاہیے، کیونکہ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا، حضرت زید بن حارثہ کلبی سے مکہ مکرمہ میں منسوب ہونے کے بعد ایک الگ مکان میں رہنے لگی تھیں، ان کے مقام ومرتبہ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے تعلق وربط کی بنا پر آپ کے دوسرے اعزہ واقربا اور صحابہ بھی ان کی زیارت کو جایا کرتے تھے، ان میں حضرات شیخین، حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما سب سے زیادہ نمایاں تھے: **و قیل إنَّ أبا بکر و عمر کانا یزورانھا کما کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یزرورھا.(۵۶)**

ابن اثیر نے یہ روایت کلمۂ ضعف کے ساتھ بیان کی ہے کہ وہ مجروح، کمزور یا غلط روایت ہے، لیکن یہ درست نہیں کیونکہ اس کی تائید دوسرے مصادر کی روایات سے ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرات شیخین ان کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے، حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خاص طور سے، امام مسلم نے حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے فضائل پر ایک باب باندھا ہے، جس میں واضح حدیث ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک دوسری حدیث ہے کہ ایک بار تشریف لے گئے تو انھوں نے شربت پیش کیا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا تو حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا غصے ہوئیں، تیسری حدیث میں حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے جانے کا ذکر ہے۔(۵۸) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **عن انس انطلق رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم إلی أم أیمن فانطلقت معہ ، فناولتہ إناء فیہ شراب، قال لا أدری أ صادفتہ صائما أو لم یردہ فجعلت تصخب علیہ و تذمر علیہ.(۵۹)**

حجاب:

حضرت اُمّ ایمن کا تعلق اہلِ بیت نبوی سے تھا کہ وہ موالی نبوی ہونے کے سبب گھر والوں میں سے تھیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی بنا پر ان سے محبت بھی فرماتے تھے اوران کے لیے وہی پسند کرتے تھے جو اہلِ بیت کے لیے کرتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی حجاب کا حکم دیا تھا: **عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم، قال: غطی قناعک یا اُمّ ایمن .(۶۰)**

اقطاع رعطیۂ نبوی:

امام بخاری اور امام مسلم کی روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرتِ مدینہ کے بعد مہاجرین کو انصار کے اصرار ومحبت پر ان کے باغات میں شریک وسہیم بنا دیا تھا اوران کو کھجور کے درخت اور اراضی ہبہ کر دی تھی، غزوۂ بنونضیر کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو یہودی اراضی سے قطائع (زمین کے عطیات) عطا فرمائے اوران سے انصار کے باغات کے حصص اوران کی اراضی ان کے مالکوں کو واپس کرا دی۔ کچھ انصاری عطایا واراضی پھر بھی مہاجرین ومہاجرات کے قبضے وملکیت

میں رہ گئی، کیونکہ ان کو نضیری اراضی سے زمین و جائیداد نہیں ملی تھی۔ غزوۂ بنی قریظہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موہوبہ انصاری اراضی کو بھی ان کے اصل مالکوں کو واپس لوٹانے کا فیصلہ کیا۔ ان میں ایک اراضی اور باغ کا حصہ حضرت انس بن مالک خزرجی رضی اللہ عنہ کے خاندان کا تھا، جو حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے تصرف میں تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کا علم ہوا تو انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو خدمتِ نبوی میں بھیجا کہ وہ اپنے حصۂ باغ کی واپسی کی درخواست کریں۔ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے آنے کا علم ہوا تو وہ بھی فوراً جنابِ نبوی میں پہنچیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی گردن میں کپڑا ڈال کر فرمانے لگیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا عطیہ ہرگز واپس نہیں کریں گے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زمین واپس کرنے کا حکم دیا، لیکن وہ راضی نہ ہوئیں، آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ ایمن کو انصاری آراضی کا دس گنا یا اس کے مساوی دے کر ان کو راضی کر لیا۔ (۶۱)

عن انس قال كان الرجل يجعل للنبی ﷺ النخلات حتى افتتح قريظة والنضير و ان اهلی امرونی ان آتی النبی ﷺ فاساله الذی كانوا آعطوه او بعضه ، و كان النبی ﷺ قد اعطاه ام ايمن ، فجائت ام ايمن فجلعت الثوب فی عنقی تقول كلا والذی لا اله الا هو ، لا يعطيكم و قد اعطانيها ، او كما قالت ، والنبی ﷺ يقول : لک كذا، و تقول كلا واللّٰه ، حتی اعطاها ، حسبت انه قال: عشرة امثاله ، او كما قال.

حافظ ابن حجر شارح مسلم، امام نووی کے حوالے سے حضرت اُمّ ایمن کے رویے کے تشریح کی ہے کہ وہ اس عطیے کو مستقل وتا ابد سمجھتی تھیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تالیفِ قلب اور لحاظِ محبت کی بنا پر ان کے خیال وگمان کی تردید نہ کی اور اپنی طرف سے ان کو عطا فرمایا، اتنا عطا فرمایا کہ وہ راضی ہو گئیں، کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انّا تھیں۔

نبوی تعلقِ خاطر:

لاڈ پیار کا ایک رشتہ بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ استوار کر رکھا تھا، ایک بار وہ خدمتِ نبوی میں تشریف لائیں تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کو ایک اونٹ برائے سواری عطا فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ مذاق فرمایا کہ میں آپ کو اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا، حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ میرا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا اور مجھے اس کی خواہش بھی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تو آپ کو اونٹنی کا بچہ ہی دوں گا''۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اسی طرح مزاح فرماتے تھے اور مزاح میں بھی سچ بات ہی کہتے تھے، اس واقعے میں واضح ہے کہ تمام اونٹ اونٹنیوں کے بچے ہی ہوتے ہیں۔ (۶۲)

زبان کی رخصت:

حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا حبشی تھیں اور غالباً عربی حروف میں سے بعض کے مخارج صحیح نہیں نکال پاتی تھیں اور ان کی زبان میں بھی کچھ گرہ تھی، اسی بنا پر ان کو عسراء اللسان کہا گیا ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انھوں نے غزوۂ

حنین کے موقع پر مسلمانوں کو ثبات قدمی کی دعا دی تو ''سبت اللّٰہ اقدامکم'' جس کا مفہوم کچھ اور ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تنبیہ فرمائی اور خاموش رہنے کا حکم دیا، (۶۳) حضرت اسامہ کے بارے میں بھی یہ روایت آتی ہے کہ وہ ''ث'' کی آواز کو ''س'' سے جدا نہ کر پاتے اور ''الثرید'' کو ''السرید'' کہتے تھے، (۶۴) لیکن اسی کے ساتھ ان کو رخصت بھی عطا فرمائی، وہ خدمت میں آتیں تو لاسلام کہتیں، غالباً وہ السلام علیکم واضح طور سے نہیں کہہ پاتی تھیں، لہٰذا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو ''سلام لاعلیکم'' کہتے سنا تو اجازت عطا فرما دی کہ وہ صرف ''سلام یا السلام'' ہی کہہ لیا کریں، وہی ان کے لیے کافی ہے۔ (۶۵)

جانوروں کی چَرائی:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے مویشی تھے جو مختلف چراگاہوں میں رہتے تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی مویشی بھی اور اسلامی ریاست کے جانور بھی ان میں شامل تھے، ان کی دیکھ بھال اور چَرانے کے لیے متعدد چرواہے تھے، حضرت اُمّ ایمن بھی ان میں سے ایک تھیں، بلاذری کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سات دودھاری اونٹنیاں تھیں جن کو اُمّ ایمن چَراتی تھیں:

کانت للنبوی ﷺ منائح سبعة اعفر ترعاهن ام ایمن. بلاذری نے ان کی تفصیل بھی دی ہے۔ (۶۶)

غالباً اسی خدمتِ نبوی کے حوالے سے مدتوں بعد حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اُموی نے حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے فرزند حضرت اسامہ بن زید کلبی رضی اللہ عنہما سے ایک گفتگو کے دوران فرمایا: اللہ اُمّ ایمن پر رحم فرمائے، میں ان کو اب بھی گویا دیکھ رہا ہوں کہ وہ دونوں بکریاں/مویشی لے جا رہی ہیں، اس پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! وہ ہند یعنی حضرت معاویہ کی ماں سے بہتر تھیں اور زیادہ معزز بھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے معزز تر ہونے پر تعجب ہوا اور اس کا اظہار کیا تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ پڑھی: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ (۶۷)، غالباً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ (۶۸)

مویشی چَرانے کی ایک روایت حضرت اُمّ ایمن کے بارے میں اب تک مل سکی ہے اور وہ بھی مدنی دور کی، اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ مویشی چَرانے کا کام انھوں نے صرف مدنی دور میں اور ایک آدھ بار کیا تھا اور حضرت اسامہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مکالمے سے اس کام کی سماجی فروتنی اور ناپسندیدہ حیثیت کا اشارہ سمجھنا بھی غلط ہے، گھریلو جانوروں کا چَرانا اور اجرت پر چرواہی کرنا دونوں کام عرب روایات میں سماجی طور سے مقبول و پسندیدہ تھے اور اشراف خاندانوں کے لڑکے، موالی اور باندیاں اور معزز افراد و اشخاص یہ کام کرتے تھے، دراصل یہ نبیوں والا کام تھا اور تمام انبیائے کرام کے علاوہ خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لڑکپن میں جانوروں کو چَرانے کا کام کیا تھا۔ (۶۹)

تجہیز و تکفین کی خدمت:

خاندانِ رسالت کی ایک بزرگ و عزیز فرد ہونے کا سبب حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا تمام دکھ سکھ کے واقعات میں ضرور شریک رہتی تھیں، یہ روایات کا قصور اور راویوں کی کوتاہی ہے کہ وہ مکی سماج اور مدنی معاشرے کے اجتماعی کاموں میں

ان کی شرکت اور افرادِ خاندان کی خدمت میں ان کی سعادت کا بالعموم ذکر نہیں کرتے ہیں، البتہ بعض اہم واقعات کے ضمن میں ان کے کام، کارگزاری اور خدمت کا حوالہ آجاتا ہے۔

۸ھ/۶۲۹ء میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، ان کو غسل دینے والوں میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو ازواجِ مطہرات، حضرت سودہ بنت زمعہ اور حضرت اُمّ سلمہ کے علاوہ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہن بھی شریک تھیں، راوی نے تجہیز و تکفین کرنے کی سعادت پانے والوں میں ان کو سرِ فہرست رکھا ہے۔(۷۰)

اس سے قبل ۲ھ/۶۲۴ء میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال غزوۂ بدر کے دوران انتقال ہوگیا تھا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں شرکت کے سبب شریک نہ ہوسکے اور ان کی نمازِ جنازہ اُن کے شوہر حضرت عثمان بن عفان اُموی نے پڑھائی تھی، ان کو غسل دینے کا فریضہ صرف حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے ادا کیا تھا۔(۷۱) ۹ھ/۶۳۰ء میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری دختر حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو غالباً ان کو بھی حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا نے ہی غسل دیا تھا۔

مکہ مکرمہ میں ہجرت سے تین سال قبل حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدی رضی اللہ عنہا، اوّلین زوجۂ مطہرہ کا انتقال ہوا، کلبی وغیرہ راویوں کا بیان ہے کہ ان کو حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجۂ مکرمہ نے غسل دیا تھا، ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی کہ تب وہ مسنون نہ ہوئی تھی۔(۷۲) ان روایات کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ خواتینِ اہلِ بیت کی تجہیز و تکفین کے کاموں میں حضرت اُمّ ایمن کی شرکت لازمی امر تھا۔

روایتِ حدیث:

حافظ ابن حجر نے بعض احادیثِ نبوی حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کی سند و روایت پر قدیم کتب سے نقل کی ہیں:

اوّل حدیث ہے کہ چور کا ہاتھ صرف ڈھال میں کاٹا جائے گا: **لا یقطع السارق الا فی جنة.** اس روایت کو مسندِ یحییٰ الحمانی اور حافظ ابونعیم نے اپنی سند سے نقل کیا ہے، اس کے مطابق عہدِ نبوی میں اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم کے برابر سمجھی جاتی تھی، لیکن اس کی سند پر کلام کیا گیا ہے۔

دوسری طبرانی کی روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ چٹائی دے دو تو انھوں نے حائضہ ہونے کے عذر کو پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا حیض تمھارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

قالت اُمّ ایمن قال رسول اللّٰہ ﷺ ناولینی الخمرة من المسجد ، قلت : انی حائض ، قال: ان حیضتک لیست فی یدک ۔(۷۳)

(جاری ہے)

حواشی:

(۴۶) ابن سعد: ج ۸،ص: ۲۲۵۔ (۴۷) بلاذری: ج ا،ص: ۳۲۶۔ نیز ابن حجر۔ الاصابہ: ج: ۴،ص: ۴۱۶۔ (۴۸) بلاذری، ج: ا،ص: ۳۲۶۔ واقدی، ج: ا،ص: ۲۷۸۔ (۴۹) واقدی، ج: ا،ص: ۲۸۸، ۲۸۹۔ (۵۰) واقدی، ج: ۲،ص: ۴۳۰، ۴۳۱۔ بخاری۔ صحیح: کتاب المغازی، باب: حدیث الافک۔ مسلم۔ صحیح: کتاب التوبہ کے مطابق حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے نوجوان فرزند اسامہ بن زید کلبی سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تھا اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اعلیٰ کردار کی تصدیق کی تھی۔ نیز فتح الباری، ج: ۷،ص: ۵۳۸، ۵۴۷۔ فاما اسامة فاشار علی رسول اللہ ﷺ بالذی یعلم من براۃ اھلہ و بالذی یعلم لھم فی نفسہ فقال: اھلک ولا نعلم الا خیرا. (۵۱) ابن سعد، ج: ۸،ص: ۲۲۵۔ وشھدت خیبر مع رسول اللہ ﷺ. ابن حجر۔ الاصابہ، ج: ۴،ص: ۴۱۶۔ واقدی، ج: ۲،ص: ۶۰۰۔ (۵۲) ابنِ ہشام، ج: ۳،ص: ۴۰۱، ۴۰۲۔ واقدی، ج: ۲،ص: ۶۸۴، نے حضرت ایمن بن عبید خزرجی کے علاوہ اس غزوے میں شرکت نہ کرنے والوں کے نام گنائے ہیں، روایت میں یہ دلچسپ اور اہم اضافہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پیچھے رہ جانے والوں کو بھی حصہ عطا فرمایا تھا۔ (۵۳) بخاری۔ صحیح: کتاب فضائل الصحابہ۔ مناقب زید۔ مسلم۔ صحیح: فضائل زید بن حارثہ۔ نیز بخاری۔ صحیح: کتاب المغازی، باب: بعثت النبی اسامہ بن زید فی مرضہ الذی توفی. فتح الباری، ج: ۸،ص: ۱۹۰، ۱۹۱۔ (۵۴) واقدی، ج: ۳،ص: ۱۱۱۹۔ (۵۵) واقدی، ج: ۳،ص: ۱۱۲۰۔ (۵۶) اسد الغابہ، ج: ۵، ص: ۵۶۷۔ حلبی، ج: ا،ص: ۱۰۵، ۱۱۰۔ الاصابہ: ترجمہ اُمّ ایمن۔ (۵۷) اسد الغابہ، ج: ۵،ص: ۵۶۸۔ (۵۸) صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل اُمّ ایمن۔ مسعود احمد،ص: ۸۵۸۔ (۵۹) ابنِ حجر۔ الاصابہ: ج: ۴،ص: ۴۱۶: فاقبلت تضاحکہ. (۶۰) بلاذری، ج: ا،ص: ۲۲۴۔ (۶۱) صحیح بخاری۔ کتاب المغازی، باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب الخ۔ صحیح مسلم: کتاب الجہاد۔ باب رد المھاجرین الی الانصار منائحھم۔ فتح الباری، ج: ۷،ص: ۵۱۲، ۵۱۳۔ نیز ابن سعد: ج: ۸،ص: ۲۲۵ مثل مسلم۔ (۶۲) بلاذری، ج: ا،ص: ۲۲۴۔ (۶۳) ابن سعد، ج: ۸،ص: ۲۲۵۔ (۶۴) بلاذری، ج: ا، ص: ۳۰۳۔ (۶۵) ابن سعد، ج: ۸،ص: ۲۲۴۔ (۶۶) بلاذری، ج: ۸،ص: ۵۱۳، ۵۱۴۔ (۶۷) الحجرات: ۱۳۔ (۶۸) بلاذری، ج: ا،ص: ۴۷۵۔ (۶۹) بخاری۔ صحیح: کتاب احادیث الانبیاء، باب: یعکفون علی اصنام لھم۔ فتح الباری، ج: ۲، ص: ۵۳۳۔ ومابعد۔ مسعود احمد کی تاریخ میں بخاری کا حوالہ کتاب، کتاب بدء الخلق ہے جو غلط ہے، قالوا: اکنت ترعی الغنم؟ قال: وھل من نبی الا وقد رعاھا. (۷۰) بلاذری، ج: ا،ص: ۴۰۰۔ و توفیت زینب بنت رسول اللہ ﷺ فی سنة ثمان من الھجرة بالمدینة فغسلتھا اُمّ ایمن و سودہ. (۷۱) بلاذری: ج: ا،ص: ۴۰۱: و توفیت فی ایام بدر وھی عند عثمان و دفنت بالبقیع وصلی علیھا عثمان و غسلتھا اُمّ ایمن. (۷۲) بلاذری، ج: ا ص: ۴۰۶۔ (۷۳) حافظ ابن حجر نے اس سند کو منقطع بتایا ہے: و ھذا فیہ انقطاع. الاصابة: ج: ۴،ص: ۴۱۶۔

خاندانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ابومروان معاویہ واجد علی ہاشمی

تاریخ سِیَر اور انساب کے مطالعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان، ازواج و اولاد، نواسے، نواسیاں، آپ کے خُسر و داماد اور آپ کے ہم زلف کون تھے، پتہ چلتا ہے۔ خاندان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جائزہ لینے کے لیے میں اسے مختلف مراجع اور مصادر سے اخذ کیا ہے۔ مثال کے طور پر نسب قریش (مصعب زبیری، ۱۵۶ھ)، جمہرۃ النساب (حزم اندلسی، ۳۸۴ھ)، کتاب المعارف (قتیبہ الدینوری، ۲۱۳ھ)، کتاب المحبر (ابن حبیب بغدادی متوفی ۲۴۵ھ)، طبقات الکبریٰ (محمد بن سعد المتوفی ۲۳ھ)، وغیرھم۔ ان کے علاوہ باقی مراجع میں اہم مراجع یہ ہیں۔

انساب الاشراف (بلاذری)، الاستیعاب (ابن عبدالبر)، الاصابہ (ابن حجر عسقلانی)، سیر اعلام النبلاء (علامہ ذہبی)، تذکرۃ المعصومین، اصول کافی، نہج البلاغہ، ناسخ التواریخ، خصائل صدوق، جلاء العیون از باقر مجلسی، منتہی الآمال، عباسی قُمی، حیات القلوب از مجلسی، مفاتح الجنان از عباس قمی، تحفۃ العوام، تہذیب الاحکام، الاستبصار، زاد المعاد، مجالس المومنین از شوستری، مروج الذہب از مسعودی، مرأۃ العقول، ذبح عظیم، ....انوار النعمانیہ، تنقیح المقال از عبداللہ الماقانی، بحار الانوار، تلخیص الشافی از ابوجعفر طوسی، منتخب التواریخ، مناقب آل ابی طالب از ابن شہر آشوب، قرب الاسناد، تنبیہ والاشراف از مسعودی، یعقوبی، البدایہ والنہایہ از ابن کثیر، تاریخ طبری، الکامل از ابن اثیر وغیرھم۔

نسب رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبدمناف (مغیرہ) بن قُصی (زید) بن کِلاب بن مُرَّہ بن کعب بن لُوی بن غالب بن فِہر بن مالک بن نَضر (قیس) بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ (طبقات الکبریٰ، ج:۱، ص:۶۴، مترجم)، (کتاب المعارف، ص:۵۲)

عبدمناف بن قصی کی اولاد:

عبدمناف بن قصی کی اولاد میں چھے بیٹے اور چھے بیٹیاں تھیں۔ بیٹے: (۱) مطلب، (۲) ہاشم، (۳) عبدشمس، (۴) نوفل، (۵) ابوعمرو، (۶) ابوعبیدہ۔ بیٹیاں: (۱) تماضر، (۲) حَنّہ، (۳) قلابہ، (۴) بَرّہ، (۵) ہالہ، (۶) رَیطہ۔

ان چھے بیٹوں میں دو زیادہ عزت وشرف کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوئے۔ (۱) ہاشم، (۲) عبدشمس۔

ہاشم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہیں، اصل نام عمرو اور کنیت ابوالاسد تھی۔ ہاشم بن عبدمناف کے چار بیٹے: (۱) عبدالمطلب (عامر رشیبہ)، (۲) ابی صیفی (عمرو)، (۳) اسد، (۴) نفلہ تھے اور پانچ بیٹیاں: (۱) شفاء، (۲) رقیہ، (۳) ضعیفہ، (۴) خالدہ، (۵) حَنّہ تھیں۔ ہاشم کی نسل صرف عبدالمطلب سے چلی۔

(فتح الملہم، ج:۳،ص:۹۹۔ابن سعد، ج:۱،ص:۹۴)

عبدشمس بن عبدمناف:

عبدشمس بن عبدمناف کی اولاد میں سات بیٹے: (۱) حبیب، (۲) اُمیہ الاکبر، (۳) اُمیہ الاصغر، (۴) عبداُمیہ، (۵) نوفل، (۶) عبدالعزیٰ، (۷) عبداللہ الاعرج (ربیعہ) تھے۔ ہاشم کی اولاد میں، اولاد عبدالمطلب والد رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، زبیر، ابوطالب، ابولہب، حارث شامل ہیں۔ اور اولاد عبدشمس میں، اولادِ بنواُمیہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن ربیع، سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ، سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن عامر بن کریز، سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عثمان غنی رضی اللہ عنہ (نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) علی بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ (نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، شہیدِ یرموک، ردیفِ رسول فتح مکہ، الاصابہ، ابن حجر عسقلانی، ج:۲،ص:۵۱۰، تحت علی ابن ابوالعاص) شامل ہیں۔ بنوہاشم اور بنواُمیہ قریش ہی کے دو اہم اور معزز برادر قبیلے تھے۔ جن کی اسلام سے پہلے اور بعد میں آپس میں کئی رشتہ داریاں تھیں۔

اولادِ عبدالمطلب:

عبدالمطلب نے ۵۷۸ یا ۵۷۹ء میں وفات پائی۔ دس بیٹے: (۱) حارث، (۲) زبیر، (۳) ابوطالب عبدمناف، (۴) عبداللہ، (۵) ابولہب، (۶) حجل (مغیرہ)، (۷) حمزہ (رضی اللہ عنہ)، (۸) ضرار، (۹) عباس (رضی اللہ عنہ)، (۱۰) غیداق۔ اور بعض نے بارہ بیٹے لکھے ہیں۔ چھے بیٹیاں: (۱) بَرّہ زوجہ عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم، (۲) اُم حکیم البیضاء زوجہ کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ دامادِ رسول، ناشر قرآن، خالوئے حسنین کریمین، ہم زلف حیدرِ کرار، امام مظلومِ مدینہ، قتیل سازش ابن سباء عثمان بن عفان کی نانی اماں تھی۔ (۳) اُمیمہ زوجہ جحش بن رئاب بن یعمر از بنی اسد بن خزیمہ تھیں، (۴) عاتکہ بنت عبدالمطلب، یہ ابی اُمیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم کی زوجہ تھیں، (۵) اروئی کی شادی عمیر بن وہب بن عبد بن قصی سے ہوئی، جس سے طُلَیب پیدا ہوئے، اوّلین مہاجرین میں سے تھے اور اجنادین میں شہید ہوئے، (۶) صفیہ بنت عبدالمطلب کی شادی عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ سے ہوئی، جس سے حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق عبدالمطلب کی تین بیٹیوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اولاد عبدالمطلب کی تفصیل کے لیے دیکھیے:

(طبقات ابن سعد، ج:۱۔ نسب قریش:ص:۱۷۔ المعارف ابن قتیبہ، ص:۵۲)

عبدالمطلب کی نسل پانچ بیٹوں (۱) ۳ عبداللہ، (۲) حارث، (۳) زبیر، (۴) ابوطالب، (۵) سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے آگے چلی۔ بیاسی سال کی عمر میں عبدالمطلب نے وفات پائی۔

حارث بن عبدالمطلب:

اپنے والد کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے، مگر ان کے چار فرزند (۱) حضرت نوفل رضی اللہ عنہ، (۲) حضرت

عبداللہ رضی اللہ عنہ، (۳) حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ، (۴) حضرت ابوسفیان مغیرہ رضی اللہ عنہ، اسلام اور شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔

زبیر بن عبدالمطلب:

عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے حارث تھے جو کہ والد کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ حارث کے بعد زبیر سب سے بڑے تھے، یہ اپنے والد کے وصی تھے اور عبدالمطلب کی وفات کے بعد بنو ہاشم کے سردار مقرر ہوئے۔ ان کے ایک فرزند عبداللہ صحابی اور دو بیٹیاں ضباعہ اور اُم حکیم بھی صحابیات میں شامل ہیں۔ عام طور پر اربابِ سِیَر و تاریخ کے نزدیک وفات عبدالمطلب کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت ابوطالب نے کی تھی لیکن یہ بات خلافِ حقیقت ہے، کیونکہ زبیر جو کہ بنی ہاشم کے عبدالمطلب کے بعد سربراہ اور سردار تھے کی موجودگی میں ابوطالب نے کیسے کفالت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہوگی اور اگر زبیر کی وفات کے بعد ابوطالب کی کفالت قیاس کی جائے تو بھی خلافِ عقل ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۲۴ برس تھی۔ اتنی عمر میں کسی کی کفالت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب کے بیٹوں کی نسل نہیں چلی، یہ بات خلافِ تحقیق ہے، ان کی نسل عبداللہ رضی اللہ عنہ سے آگے چلی ہے۔ مشہور بزرگ مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری بہاری کا سلسلہ نسب انہی عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب سے ملتا ہے۔

سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ:

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی اور آپ کے ہم زلف بھی تھے۔ اسد اللہ و اسد الرسول اور سید الشہداء کا خطاب آپ کو حاصل ہوا تھا۔ ابتدائی دور میں قبول اسلام کیا، غزوۂ بدر و غزوۂ اُحد میں دشمنوں کے بڑے بڑے سورماؤں کو خاک و خون میں ملا کر غزوۂ احد میں خود جامِ شہادت نوش کیا۔ اولاد میں دو فرزند (۱) عمارہ، (۲) یعلی اور دو بیٹیاں (۱) امُ الفضل، (۲) اُمامہ۔

عمارہ بن حمزہ رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا جس کا نام حمزہ تھا اور یعلیٰ بن حمزہ رضی اللہ عنہ کے پانچ بیٹے پیدا ہوئے، مگر ان کی نسل آگے نہ چلی۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب:

یہ عمر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال بڑے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں شریک ہوئے، یہ نہایت فیاض، صلہ رحمی کرنے والے اور مستجاب الدعوات تھے۔ ۳۲ھ میں وفات پائی، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ اولاد میں دس بیٹے (۱) فضل، متوفی: ۱۸ھ، شام، (۲) عبداللہ، متوفی: ۶۷ھ، (۳) عبیداللہ کا انتقال مدینہ میں ہوا۔ خلفاءِ عباسیہ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس سے ہیں۔ (۴) معبد، افریقہ میں خلافت عثمانؓ میں جہاد میں شہید ہوئے۔ (۵) قثم، ثمرقند میں شہید ہوئے۔ سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں ثمرقند گئے تھے۔ (۶) عبدالرحمٰن کی اولاد میں ان کا بیٹا عبدالرحمٰن تھا۔ یہ اپنے بھائی

معید کے ساتھ افریقہ میں شہید ہوئے۔(۷) عون، (۸) تمام، یہ سب سے چھوٹے بیٹے تھے، ان کی اولاد میں (۱) جعفر، (۲) عباس، (۳) قثم تھے، ان کی اولاد باقی ہے۔(۹) کثیر، یہ فقیہ اور فاضل شخص تھے، ان کی اولاد سے نسل جاری نہیں ہوئی۔ (۱۰) حارث کی نسل موجود ہے۔تین بیٹیاں تھیں: (۱) اُم حبیب (۲) صفیہ (۳) آمنہ۔

اُمّ کلثوم بنت فضل پہلا نکاح سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے ہوا، اس کے بعد ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ہوا۔(کتاب المعارف، ص:۵۳۔نسب قریش، ص:۲۵، ۳۸۔جمہرۃ الانساب، ص:۱۸)

اولادِ ابوطالب:

ابوطالب کی اولاد میں چار بیٹے (۱) طالب (۲) عقیل رضی اللہ عنہ (۳) جعفر رضی اللہ عنہ (۴) علی رضی اللہ عنہ اور دو بیٹیاں (۱) اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا (ہند، فاطمہ) (۲) جمانہ۔تین بیٹوں سے ابوطالب کی نسل جاری ہوئی۔عقیل رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ سے۔

اولادِ عقیل رضی اللہ عنہ:

یہ طالب سے چھوٹے تھے، ان کی کنیت ابو یزید تھی۔یہ غزوۂ بدر میں گرفتار ہوئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا فدیہ دیا، فتح مکہ کے وقت ایمان لائے۔تاریخ البخاری الاصغر میں صحیح سند سے مذکور ہے کہ عقیل رضی اللہ عنہ کی وفات یزید کی حکومت کے زمانہ میں بعمر ۹۶ برس ہوئی۔اولاد میں ۱۳ بیٹے (۱) مسلم، (۲) عبداللہ، (۳) محمد، (۴) عبیداللہ، (۵) عبدالرحمٰن، (۶) حمزہ، (۷) علی، (۸) جعفر، (۹) عثمان، (۱۰) یزید، (۱۱) سعد، (۱۲) جعفر اکبر، (۱۳) ابوسعید۔اور چار بیٹیاں تھیں: (۱) رملہ، (۲) زینب، (۳) اسماء، (۴) اُم ہانی۔

(کتاب المعارف، ص:۸۸۔۸۷۔نسب قریش، ص:۸۴۔تنبیہ والاشراف، ص:۱۶۲)

عقیل رضی اللہ عنہ کی نسل محمد سے اور محمد کی عبداللہ سے جاری ہے۔طبرستان میں ان کی نسل بنوالرفوع سے مشہور ہے۔

اولادِ جعفر رضی اللہ عنہ:

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔دو ہجرتیں کیں، حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ کی طرف، یہ فتح خیبر کے موقع پر واپس آئے تھے۔موتہ ۸ھ میں شہید ہوئے۔اولاد میں (۱) عبداللہ، (۲) عون، (۳) محمد اکبر، ان کی ماں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھیں۔(۴) محمد اصغر، (۵) حمید، (۶) حسین، (۷) عبداللہ اصغر۔سات بیٹے تھے، (نبی کا گھرانہ، ص:۱۲۳) لیکن نسل صرف عبداللہ اکبر سے چلی۔عون تستر میں اور محمد اکبر صفین میں شہید ہوئے۔

(انساب الاشراف، تنبیہ والاشراف، مسعودی ۱۶۲)

اولادِ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ:

عبداللہ بن جعفر، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔سیدہ زینب بنت علیؓ آپ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ان سے (۱) جعفر اکبر، (۲) علی، (۳) عون اکبر، (۴) عباس، (۵) اُم کلثوم، یہ لاولد تھی۔اس اُمّ کلثوم کی شادی ابان بن عثمانؓ بن عفان

سے ہوئی۔(کتاب المعارف ابن قتیبہ،ص:۹۰)

عبداللہ بن جعفر کے اٹھارہ بیٹے اور تین بٹیاں تھیں ، دیگر اولاد میں (۵) محمد، (۶) عبید اللہ، (۷) ابوبکر، (۸) صالح، (۹) موسیٰ، (۱۰) ہارون، (۱۱) یحییٰ، (۱۲) معاویہ، (۱۳) اسحاق، (۱۴) اسماعیل، (۱۵) قاسم، (۱۶) حسن، (۱۷) عون الاصغر، (۱۸) عدی۔ بیٹیاں: (۲) اُمّ محمد، (۳) اُم ابیہا۔ ان کی ماں لیلیٰ بنت مسعود بن خالد نہشلی تھیں۔ اُمّ محمد بنت عبداللہ جعفر کا نکاح یزید بن معاویہؓ سے ہوا۔(نسب قریش،ص:۸۳)اور اُمّ ابیہا عبدالملک بن مروانؒ کی بیوی تھی۔ (نسب قریش،ص:۱۱۳)

عبداللہ بن جعفر کے ایک بیٹے علی جو سیدہ زینب بنت علیؓ کے بطن سے تھا، اس کے بیٹے محمد کی بیٹی (یعنی عبداللہ بن جعفر کی پوتی ربیحہ بنت محمد بن علی کی دو مرتبہ شادی بنو مروانؒ میں ہوئی، پہلی مرتبہ یزید بن ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروانؒ سے، اس کے بعد بکار بن عبدالملک بن مروان سے۔(کتاب المحبر ،ص:۴۴۰)عبداللہ بن جعفر ۸۰ھ میں عبدالملک بن مروانؒ کی خلافت کے زمانے میں ۹۰ برس کی عمر میں فوت ہوئے والی مدینہ ابان بن عثمانؓ بن عفان نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔(نسب قریش،ص:۸۲)

اولادِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

امام المشارق والمغارب اسداللہ الغالب سیدنا علی بن ابی طالب بعثت نبوی سے ۵ سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ ۷ برس کی عمر میں ایمان لائے۔(البدایہ والنہایہ، ج:۷،ص:۲۲۳) چالیس ھ میں اٹھاون برس کی عمر میں شہید ہوئے۔

۹ ازواج اور مختلف لونڈیوں سے آپ کے ۱۸ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں۔ ۱۸ بیٹوں میں سے ۷ والد کے سامنے فوت ہوگئے، باقی گیارہ میں سے ۶ کربلا میں شہید ہوئے، اس وقت ۵ بیٹوں (۱) حسن رضی اللہ عنہ، (۲) حسین رضی اللہ عنہ، (۳) محمد ابن حنفیہ، (۴) عباس، (۵) عمر اطرف رضی اللہ عنہا کی نسل موجود ہے۔ آپ کی ازواج واولاد کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ ازواج میں: (۱) سیدہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے (۱) حسن رضی اللہ عنہا، (۲) حسین رضی اللہ عنہا، (۳) محسن بچپن میں فوت ہوئے۔ بیٹیوں میں (۱) زینب الکبریٰ زوجہ عبداللہ بن جعفرؓ۔ (۲) اُمّ کلثومؓ زوجہ عمرؓ بن خطاب دیکھیے۔ نکاح اُم کلثوم کے لیے (کتاب المعارف۔ تاریخ طراز مذہب، ۶۷۔۴۷) باب تزوج ام کلثوم ہمراہ عمر الخطاب۔ (۳) انوار النعمانیہ، ج:۱،ص:۱۲۵۔ (۴) ناسخ التواریخ، ج:۲، وقائع عمر بن خطاب،ص:۳۲۹۔ (۵) شرائع الاسلام، باب الکفو۔ (۶) مجالس المؤمنین از شوستری طبع ایران،ص:۸۹۔ (۷) تہذیب الاحکام، ج:۲،ص:۳۸۵، کتاب الجنائز۔ (۸) الاستبصار، کتاب الطلاق، باب العدۃ،ص:۱۸۵۔۱۸۴۔ (۹) فروع کافی، ج:۲،ص:۱۴۱۔ (۱۰) الشافی شریف مرتضیٰ، مطبوعہ: ایران، ص:۴۳۱۔۳۵۴۔ (۱۱) تحفۃ العوام،ص:۳۴۵۔ (۱۲) منتہی الآمال، ج:۱،ص:۱۷۰۔ (۱۳) مصائب النواصب، شوستری۔ (۱۴) کتاب الشہادت از موسوی،ص:۳۹۸۔ (۱۵) رسائل شیعہ فی تحصیل احکام الشرعیہ، ج:۱،ص:۱۵۴۔ (۱۶) من لا یحضرہ الفقہ،ص:۳۷۸۔ (۱۷) تہذیب احکام، ج:۲،ص:۲۴۲۔۲۳۸۔ باب العدۃ المتوفی عنہا زوجہا (۱۸) منتخب

التواریخ، ص: ۲۰۔ (۱۹) نسب قریش، ص: ۴۱۔ (۲۰) جمہرۃ الانساب، ص: ۳۸۔ (۲۱) کتاب المعارف، ص: ۷۹۔ ۸۰۔ (۲۲) کتاب المحبر، ص: ۵۳۷۔ (۲۳) البدایہ والنہایہ، ج: ۸، ص: ۲۸۱، تحت از واج واولاد عمرؓ۔ (۲۴) سنن نسائی مجتبیٰ، ج: ۱، ص: ۲۰۱۔ (۲۵) سنن ابوداؤد، ج: ۲، ص: ۴۰۔ (۲۶) مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۴، ص: ۱۴۲۔ (۲۷) سنن کبریٰ بیہقی، ج: ۴، ص: ۳۸۰۔ (۲۹) سنن دار قطنی، ص: ۱۹۴۔ (۲۹) علامہ نوویؒ، المجموعہ، ج: ۵، ص: ۲۳۴۔ (۳۰) تاریخ مسعودی

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دیگر ازواج میں خولہ بنت جعفر بن قیس حنفیہ سے (۲) محمد حنفیہؒ پیدا ہوئے۔ (۳) زوجہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ الصہباء اُم حبیب بنت ربیعہ سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئے۔ (۴) زوجہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اُم البنین بنت حزام بن خالد بن ربیعہ سے عمر، عباس، جعفر، عبیداللہ، عثمان پیدا ہوئے۔ (اہل بیت رسول کون، ص: ۱۱۸)۔ (۵) زوجہ اسماء بنت عمیسؓ سے یحییٰ، عون، محمد پیدا ہوئے۔ (الاسماء والمصاھرات بین اھل البیت والصحابہ، ص: ۱۷۸)۔ (۶) لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ، آپ کی اس بیوی سے عبداللہ، محمد الاصغر، ابوبکر پیدا ہوئے۔ (۷) زوجہ امامہ بنت ابی العاصؓ اُموی سے محمد اوسط پیدا ہوئے، یہ اُمامہ سیدہ زینب بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں۔ (۸) زوجہ علیؓ، اُم سعید بنت عروہؓ بن مسعودؓ ثقفیہ سے دو بیٹیاں ام الحسن اور رملہ پیدا ہوئیں۔ (۹) مماۃ رمحیاۃ بنت امراء القیس، اس بیوی سے ایک لڑکی حارثہ پیدا ہوئی جو بچپن ہی میں فوت ہوگئی۔ آپ کا ایک بیٹا محمد اُمّ ولد سے تھا۔ اس تفصیل سے جو کہ مختلف مراجع ومصادر سے لی گئی ہے، ۹ ازواج سے ۱۸ بیٹے اور ۶ بیٹیاں ہیں، جبکہ باندیوں سے آپ کی ۱۲ بیٹیاں تھیں، باندیوں کے نام ونسب مجھے حاصل نہ ہوسکے البتہ تاریخ طبری جزء السادس، ص: ۸۹ پر ان باندیوں سے پیدا شدہ بنات کی مندرجہ ذیل تفصیل ہے۔

(۱) اُم ہانی، (۲) میمونہ، (۳) زینب الصغریٰ، (۴) رملہ صغریٰ، (۵) فاطمہ، (۶) امامہ، (۷) خدیجہ اُم الکرام، (۸) اُم سلمہ، (۹) جمانہ، (۱۰) نفیسہ اس کی کنیت اُم کلثوم صغریٰ تھیں، (منتہی الآمال)، (۱۱) اُمّ جعفر، (۱۲) اُمّ کلثوم۔ اولادِ علیؓ کی اس تفصیل کے بعد آپ کے ۱۸ بیٹے اور ۱۸ ہی بیٹیاں واضح ہوگئیں۔ سب سے اہم ایک بات جو مراجع اور مصادر میں موجود ہے، وہ ہے اُمّ کلثوم بنت علیؓ کی واقعہ کربلا میں موجودگی۔ یاد رہے کہ سیدنا علیؓ کی تین بیٹیوں کے نام اُمّ کلثوم ہے۔ (۱) ایک اُمّ کلثوم جو سیدہ فاطمہؓ کے بطن سے تھیں، جن کا نکاح خلیفہ دوم عمر بن الخطاب سے ہوا، زید اور رقیہ دو اولادیں ہوئیں، زید اور ان کی ماں بنت فاطمہؓ، اُمّ کلثومؓ ایک ہی دن میں فوت ہوئے اور یہ کربلا سے پہلے فوت ہوگئیں تھیں۔ کربلا میں زندہ اور موجود اُمّ کلثوم یقیناً آپ کی دوسری کوئی بیٹی تھی۔ وہ زوجہ عمر بن خطابؓ نہ تھیں، تین اُم کلثوم نام کی حضرت علی کی بیٹیاں تھیں۔ پانچ بیٹیوں سے نسل چلی، (۱) حسنؓ، (۲) حسینؓ، (۳) محمد حنفیہ، (۴) عباسؓ، (۵) عمر اطرف

حسن بن علیؓ:

مشہور قول کے مطابق آپ کی ولادت ۱۵ رمضان ۳ھ مدینہ ہوئی، وفات ۵ ربیع الاوّل ۴۹ھ ہے۔ (احسن المقال، ج: ۱، ص ۳۱۷، المعارف، ص: ۹۲)، حاکم مدینہ سعید بن عاص نے نمازِ جنازہ پڑھائی (المعارف، صفحہ ۹۲)

اولاد میں بارہ بیٹے: (۱) زید، (۲) حسن مثنیٰ، (۳) حسین الاثرم، (۴) طلحہ، (۵) اسماعیل، (۶) عبداللہ،

کے بعد الاصبع بن عبدالعزیز بن مروانؒ سے شادی کی۔ گویا کہ سکینہ نے چھے نکاح مختلف اوقات میں کیے۔

(نسب قریش، ص: ۵۹۔ کتاب المعارف، ص: ۹۴۔ کتاب المحبر ص: ۴۳۸)

فاطمہ بنت حسینؓ، دوسری بیٹی ہیں، اُن کی ماں اُمّ اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تھیں، فاطمہ بنت حسینؓ کی پہلی شادی حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ سے ہوئی، جس سے (۱) عبداللہ، (۲) حسن، (۳) ابراہیم، (۴) زینب، (۵) اُمّ کلثوم پیدا ہوئیں۔ (نسب قریش، ص: ۵۱) حسن مثنیٰ کی موت کے بعد ان کا نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمانؓ سے ہوا، (نسب قریش، ۵۹)۔ سلسلۂ نسل حضرت علی اوسط (زین العابدین) کے چھے فرزندوں سے جاری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کا آغاز:

سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح مبارک ۱۵ قبل از نبوت ستمبر ۵۹۵ء/۲۷ قبل از ہجرت، جب آپ کی عمر مبارک ۲۵ برس اور سیدہ خدیجہؓ کی عمر مبارک ۴۰ برس تھی۔ شادی کے تین سال بعد ۵۹۸ء میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۸ برس تھی قاسمؓ پیدا ہوئے۔ عبداللہ نبوت کے سال مکہ میں پیدا ہوئے اور تیسرے بیٹے ابراہیم جو کہ جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ذی الحجہ ۸ھ میں ہجرت کے بعد مدینہ میں پیدا ہوئے۔

بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ صرف ایک بیٹا ابراہیم سیدہ ماریہ قبطیہ سے تھا، باقی ساری اولاد سیدہ خدیجہؓ کے بطن سے تھی۔ چار بیٹیاں اور دو بیٹے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا:

سیدہ زینبؓ کی ولادت نکاح کے پانچ برس کے بعد ۶۰۰ء/۲۳ قبل از ہجرت میں ہوئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ برس تھی۔ ظہور اسلام کے وقت سیدہ زینبؓ کی عمر ۱۰ سال تھی۔ چودہ برس کی عمر میں ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاصؓ بن ربیع سے ہوئی، ابوالعاصؓ کی ماں ہالہ بنت خویلد سیدہ خدیجہؓ کی سگی بہن تھیں۔ ابوالعاص سے آپ کی اولاد میں (۱) علی اور (۲) اُمامہ تھے۔ امامہ زوجہ علیؓ بن ابی طالب تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ اور نواسی:

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے نواسہ علی بن ابوالعاصؓ اور بڑی نواسی اُمامہ بنت ابوالعاص تھیں۔

نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ بن ابوالعاصؓ:

یہ ہجرت مدینہ سے ۸ سال قبل ۶۱۵ء میں پیدا ہوئے، فتح مکہ ۸ھ کے دن یہی علیؓ سبطِ رسول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ پر ان کے ردیف تھے۔ (رحمۃ للعالمین، ج: ۲، ص: ۱۰۴)

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ج: ۲، ص: تحت علی بن ابی العاص) یہی لکھا ہے۔ فتح مکہ کے وقت ان کی عمر ۵ برس تھی۔ ابن حجر عسقلانی نے ابن عساکر کے حوالہ سے یہ تحریر کیا ہے کہ (انہ قتل یوم الیرموک) یہ یرموک

(۷) حمزہ، (۸) یعقوب، (۹) عبدالرحمٰن، (۱۰) ابوبکر، (۱۱) القاسم، (۱۲) عمر۔

ان میں تین عبداللہ، ابوبکر، قاسم کربلا میں شہید ہوئے اور بیٹیوں میں پانچ ہیں: (۱) اُمّ الحسن، جو کہ عبداللہ بن زبیرؓ کی زوجہ تھیں۔ (۲) اُمّ سلمہ زوجہ عمرو بن منذر بن زبیرؓ ہے۔ (۳) اُمّ عبداللہ کی شادی علی بن حسینؓ بن علیؓ سے ہوئی۔ (کتاب المحبر، ص: ۵۲)۔ (۴) اُمّ کلثوم کا نکاح علی بن عبداللہ بن عباس سے ہوا۔ (۵) فاطمہ (نسب قریش، ص: ۵۱۔۵۰۔ عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب، ص: ۶۱) چار فرزندوں کی نسل چلی۔ (۱) زید، (۲) حسن مثنیٰ، (۳) حسین اثرم، (۴) عمر۔ حسین اثرم اور عمر کی اولاد کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے، اب دنیا میں صرف دو فرزندوں (۱) زید، (۲) حسن مثنیٰ کی نسل جاری ہے۔

حسین بن علیؓ:

آپ کی ولادت باسعادت پیر ۵ شعبان ۴ھ مطابق ۶۲۶ء، ۱۰ جنوری اور شہادت ۱۰ محرم ۶۱ھ، ۱۰/ اکتوبر بروز بدھ، ۶۸۰ء۔ (حوالہ جوہر تقویم از ضیاء الدین لاہوری، ص: ۶۳)

عام مؤرخین نے آپ کے پانچ بیٹے ذکر کیے ہیں، (۱) علی الاکبر، یہ کربلا میں شہید ہوئے، جوان تھے، ۲۱، ۲۲ برس عمر تھی۔ آپ کی والدہ آمنہ (لیلیٰ) بنت ابی مُرّۃ بن عروہ بن مسعود ثقفیہ ہیں، لیلیٰ کی ماں میمونہ ابوسفیانؓ بن حرب بن اُمیہ کی بیٹی تھی۔ علی اکبر سیدنا معاویہؓ کی بھانجی لیلیٰ کے بیٹے تھے۔ (نسب قریش، ص: ۵۷۔ منتہی الآمال، الارشاد)

۲۔ علی اوسط (زین العابدینؒ) ان کی ماں غزالہ، سلافہ تھیں، بعض نے کہا کہ یہ سندھیہ تھیں اور بعض نے اسے ایرانی بادشاہ شاہ یزدگرد کی بیٹی لکھا ہے۔

(۳) علی الاصغر ان کی ماں باندی تھیں، یہ بھی کربلا میں شہید ہوئے۔

(۴) جعفر کی ماں قبیلہ قضاعہ سے تھیں، یہ والد کی زندگی میں ہی فوت ہوگئے تھے۔ (احسن المقال، ج: ۱، ص: ۵۸۹)

(۵) عبداللہ یہ بھی کربلا میں شہید ہوئے، ان کی ماں رباب بنت امرؤالقیس تھیں، آپ کی دو بیٹیوں کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) سکینہؓ یہ عبداللہ کی سگی بہن تھیں، ان کی ماں رباب بنت امرؤالقیس تھیں۔ یہ کربلا میں موجود تھیں اور ان کی شادی سیدنا حسنؓ کے بیٹے عبداللہ سے واقعہ کربلا سے پہلے ہوچکی تھی۔ یہ حادثہ کربلا میں بچی نہ تھیں، بلکہ شادی شدہ تھیں۔ حوالہ دیکھیے: تاریخ الائمہ، ص: ۲۸۰۔ اعلان الوریٰ، ص: ۱۲۷)۔ سکینہؓ کا نام آمنہ یا امیمہ تھا، سکینہ لقب تھا۔ آپ کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی، آپ کا مزار شام میں ہے۔ (احسن المقال، ج: ۱، ص: ۵۹۰۔۵۸۹)

عبداللہ بن حسنؓ کربلا میں شہید ہوگئے تو ان کے بعد سیدہ سکینہؓ نے مصعب بن زبیرؓ سے نکاح کیا اور ایک بیٹی فاطمہ پیدا ہوئی۔ پھر عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام سے شادی ہوئی اس سے (۱) حکیم، (۲) عثمان (قرین)، (۳) ربیحہ پیدا ہوئے۔

یہ ربیحہ حضرت حسینؓ کی نواسی ہیں، اس کا نکاح عباس بن ولید بن عبدالملک بن مروانؒ، سے ہوا، سکینہؓ کی پھر شادی زید بن عمرو بن عثمانؓ بن عفان سے ہوئی۔ زید کے بعد سکینہ نے ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے نکاح کیا اور ابراہیم

کے معرکہ میں جو ۱۳ھ مطابق ۶۳۵ء، ۲۰ برس کی عمر شہید ہوئے، ان سے قبل ان کے والد محترم شہید ختم نبوت، شیر حجاز، سیدنا ابوالعاصؓ بن ربیع یمامہ میں شہید ہو چکے تھے۔ سیدہ زینبؓ کے بارے میں اہلِ سِیَر کہتے ہیں کہ سفرِ ہجرت کے دوران میں لگا ہوا زخم دوبارہ تازہ ہوگیا، یہی زخم آپ کی شہادت کا سبب بنا اور آپ ۸ھ مطابق ۶۳۱ء میں ۳۱ برس کی عمر میں شہید ہوئیں۔ سیدہ زینبؓ کا پورا گھرانہ شہداء کا ہے۔ خود شہید، خاوند شہید یمامہ، بیٹا علی شہید یرموک، داماد سیدنا علی المرتضیٰؓ (خاوند امامہؓ) شہید۔

سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی ہیں، بعثت سے نو سال پہلے ۶۰۱ء میں پیدا ہوئیں، تیرہ، چودہ برس کی عمر میں سیدنا عثمان غنیؓ سے شادی ہوئی۔ نبوت کے پانچویں سال عثمانؓ اور رقیہؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ کے زمانۂ قیام میں عبداللہ بن عثمانؓ پیدا ہوا۔ مؤرخین نے اس عبداللہ کو ۴ھ میں چھوٹی عمر میں مرغ کی ٹھونگ آنکھ میں مار کر فوت شدہ لکھ دیا ہے۔ جن روایات میں عبداللہ کی وفات کا بچپن میں ہونا مذکور ہے، وہ تمام واقدی کی سند سے ہیں، واقدی سے غالباً ست وسبعین میں سے ایک عدد سبعین چھوٹ گیا اور صرف ست رہ گیا جسے بعد میں آنے والے نقل کرتے رہے۔ برصغیر پاک وہند میں نواسۂ رسول عبداللہ بن عثمان کی نسل زیادہ آباد ہے، جن کا انتقال مشہور، مؤرخ مسعودی کی تحقیق کے مطابق چھہتر سال کی عمر میں ہوا۔ (حوالہ مروج الذہب، مطبوعہ: ۱۹۷۴ء، ج: ۲، ص: ۳۴۱) ۲ھ مطابق ۶۲۴ء رمضان میں بعمر ۲۴ برس سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

سیدہ اُمِّ کلثومؓ:

سیدہ اُمِّ کلثوم کی ولادت ۶۰۴ء، ظہورِ اسلام سے چھے برس قبل ہوئی۔ ۲۲ برس کی عمر میں ۶۲۵ء/۳ھ، آپ کا عثمان سے نکاح ہوا، اولاد کوئی نہ ہوئی اور شعبان ۶۳۰ء/۹ھ برس کی عمر میں وفات پائی۔

سیدہ فاطمہؓ:

نبوت سے پانچ برس پہلے ۶۰۵ء میں پیدا ہوئیں۔ ۶۲۳ء/۳ھ ۱۸ برس کی عمر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔ حسنؓ، حسینؓ، زینب، اُمِّ کلثوم اولاد تھی۔ ۲۹۔۳۰ برس کی عمر میں ۳ر رمضان ۱۱ھ انتقال ہوا۔ نمازِ جنازہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

حرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ قومی ردّعمل اور عمران خان کا ''فاشزم''

شاہنواز فاروقی

ڈارون کہتا ہے کہ انسان بندر سے انسان بنا۔ کوئی ماہرِ نفسیات یا کوئی ماہرِ عمرانیات عمران خان کے ارتقا کو بیان کرے گا تو یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ وہ زندگی کے ایک دائرے میں ''فحش ازم'' سے ''فاشزم'' تک پہنچے، اور زندگی کے دوسرے دور میں انھوں نے ''پلے بوائے'' سے ''کاؤبوائے'' تک کا سفر طے کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ڈارون کا بندر عمران خان سے بہتر تھا۔ وہ کم از کم حیوان سے انسان تو بن گیا۔ عمران خان تو اپنے ارتقاء میں صرف اپنے عیب بدل رہے ہیں۔ سلیم احمد نے کہا تھا ؂

مجھ کو قدروں کے بدلنے سے یہ ہو گا فائدہ
میرے جتنے عیب ہیں سارے ہنر ہو جائیں گے

بدقسمتی سے پاکستان کی سیاست میں جتنے اہم لوگ ہیں اور پاکستان کی تاریخ میں جتنے لوگ حکمران بنے ہیں، ان کی ترقی کا ''راز'' ان کا کوئی ''ہنر'' نہیں، کوئی نہ کوئی عیب تھا۔ جنرل ایوب کا یہی قصہ ہے، جنرل یحییٰ کی یہی کہانی ہے، جنرل ضیاء الحق کا یہی افسانہ ہے، جنرل پرویز مشرف کی یہی داستان ہے، ذوالفقار علی بھٹو کا یہی قصہ ہے، بے نظیر بھٹو کا یہی معاملہ ہے، میاں نواز شریف کا یہی سلسلہ ہے، آصف علی زرداری کا یہی چکر ہے، عمران خان کا یہی ماجرا ہے۔ لیکن ان باتوں میں سے کچھ نکات کی وضاحت ضروری ہے۔

عمران خان کی ابتدائی زندگی کھلی کتاب کی طرح ہے۔ اس میں کرکٹ اور مزید کرکٹ اور اسکینڈلز اور مزید اسکینڈلز کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن پاکستانی قوم کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ اس نے ہمیشہ عمران کی کرکٹ پر نظر رکھی اور ان کے اسکینڈلز سے صرفِ نظر کیا۔ ایسا نہ ہوتا تو ''فحش ازم'' عمران خان کا دائمی اور غالب تعارف ہوتا۔ عمران سیاست میں آئے تو انھوں نے اپنے ماضی پر شرمندگی کا اظہار کیا اور کبھی اس کا دفاع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اسلام عیوب کی پردہ پوشی پر اصرار کرتا ہے، چنانچہ عمران کی غیر اخلاقی اسکینڈلز سے پُر زندگی کا ذکر اُن کے سیاسی حریف میاں نواز شریف نے ضرور کیا، مگر قوم کی اکثریت نے عمران کی شخصیت کے اس رخ پر گفتگو سے گریز ہی کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب نے آپؓ کی جناب میں آ کر کسی شخص کی برائی کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ شخص عام آدمی ہے یا کسی منصب پر فائز ہے؟ ان صاحب نے کہا کہ وہ منصب دار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ شخص عام آدمی ہوتا تو خاموش رہنا بہتر تھا، مگر وہ منصب دار ہے تو وہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا نگران ہے۔ اس بارے میں خاموش رہنا ٹھیک نہیں۔

بدقسمتی سے عمران خان کی شخصیت پر معاشرے کی کشادہ نظری کا کوئی اثر نہیں ہے۔ وہ جس طرح وزارتِ عظمیٰ کو

''انجوائے'' کر رہے ہیں، اسی طرح انھوں نے حرمتِ رسولؐ کی پامالی کے مقدمے کی فیصلے کے حوالے سے سامنے آنے والے ردِعمل پر تبصرے کو ''انجوائے'' کر کے دکھا دیا ہے۔ یہ عمران خان کی سیاسی تاریخ کا وہ مرحلہ ہے، جہاں عمران اور اُن کی جماعت کا ''فاشزم'' پوری طرح آشکار ہو گیا ہے۔

تحریک لبیک کے دھرنوں کے حوالے سے قوم کی سمع خراشی کرتے ہوئے عمران خان ''جنرل عمران خان'' نظر آئے۔ عمران خان نے کسی فاشسٹ، کسی آمر، کسی بادشاہ کی طرح دھمکی دی کہ توہینِ رسالت کے مقدمے کے فیصلے پر جو لوگ احتجاج کر رہے ہیں وہ ''ریاست'' کو مجبور نہ کریں کہ وہ ''ایکشن'' لے۔ انھوں نے فرمایا کہ ریاست اس سلسلے میں اپنے ذمے داری پوری کرے گی۔ عمران خان کے اس فاشزم کو اُن کے نفسِ امارہ اور اطلاعات کے وفاقی وزیر فواد چودھری کے فاشزم کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے ''عمرانی فاشزم'' کی تصویر مکمل ہو جاتی ہے۔ جیو نیوز کے یکم نومبر 2018ء کے بلیٹن کے مطابق فواد چودھری نے دھرنوں اور احتجاج کے حوالے سے کہا کہ کوئی اس دھوکے میں نہ رہے کہ ریاست کمزور ہے۔ آپ ریاست کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آپ کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ آپ کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کہتے ہوئے فواد چودھری جنرل پرویز مشرف نظر آ رہے تھے۔ جنرل پرویز نے نواب اکبر بگٹی کو قتل کرنے سے قبل کہا تھا کہ تمھیں پتا بھی نہیں چلے گا کہ کس چیز نے تمھیں کہاں سے آ کر Hit کیا ہے۔

ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو پوری اُمّتِ مسلمہ کی زندگی رسول صلی اللہ علیہ وسلم مرکز ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بقول ہم نے خدا کو پہچانا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے، ہمیں قرآن ملا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے۔ نماز سب سے افضل عبادت اور دین کا ستون ہے، آپ نماز میں سب پڑھ لیں مگر درود نہ پڑھیں تو نماز قبول نہ ہوگی۔ ایک ارب 60 کروڑ مسلمانوں کا ایمان اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک انھیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں۔ مسلمانوں کے لیے دنیا کی کامیابی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے اور آخرت کی کامیابی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کی پیروی میں۔ مسلمانوں کی تہذیب ہو یا تاریخ، ہر چیز کا مرکز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی مسلمان، کوئی مسلمان معاشرہ، مسلمان حکومت اور مسلمان ریاست رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم کا دفاع بھی نہ کر سکے تو اس پر لعنت۔ مسلمان جتنے ناقص العمل ہیں وہ ظاہر ہے، مگر کمزور سے کمزور مسلمان بھی جذباتی سطح پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح وابستہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کے تحفظ کے لیے جان دے بھی سکتا ہے اور جان لے بھی سکتا ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو توہینِ رسالت یا اس کے کسی مبینہ مجرم کی رہائی پر جو ردِعمل سامنے آتا ہے وہ فطری اور برجستہ اور قابلِ فہم ہوتا ہے۔ ملعونہ آسیہ کی رہائی کی خبر کے حوالے سے بھی یہی ہوا۔ ملعونہ آسیہ کو ملک کی ایک نہیں دو عدالتوں سے موت کی سزا سنائی گئی تھی۔ سیشن کورٹ نے اس سزا کو برقرار رکھا۔ چنانچہ سپریم کورٹ کے ایک تین رکنی بینچ نے محض تین گھنٹے کی سماعت کے بعد ملعونہ آسیہ کو رہا کیا تو پاکستانی قوم کی عظیم اکثریت کو سپریم کورٹ کے فیصلے کی منطق سمجھ نہ آئی اور لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ جو سڑکوں پر دھرنا نہ دے سکے، انھوں نے

احتجاج کیا۔ملعونہ آسیہ کا مقدمہ عام مقدمہ نہ تھا۔اس مقدمے سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے تکریمی کا تصور وابستہ تھا، چنانچہ حکمرانوں، اسٹیبلشمنٹ اور ذرائع ابلاغ کو عوامی ردِعمل کا احترام کرنا چاہیے تھا۔ہمیں یاد ہے بے نظیر بھٹو کے قتل کے بعد پورا کراچی بدترین صورتِ حال کی زد میں آ گیا، درجنوں افراد ہلاک ہو گئے، ہزاروں زخمی ہوئے، سیکڑوں گاڑیوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا، متعدد بینک لوٹ لیے گئے، کارخانوں کو آگ لگا دی گئی۔پورا کراچی جنگ زدہ شہر نظر آنے لگا۔بے نظیر کا قتل افسوس ناک تھا۔اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے، مگر بے نظیر ایک معمولی انسان تھیں۔اس کے مقابلے پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر حملہ کرنے والے مجرم کی اچانک ناقابلِ فہم رہائی بہت ہی بڑا سانحہ ہے۔اصولاً تو ملک میں کروڑوں کو سڑکوں پر آ جانا چاہیے تھا اور اسٹیبلشمنٹ، عمران خان اور سپریم کورٹ کے متعلقہ ججوں سے سوال کرنا چاہیے تھا کہ تم کیا کھیل کھیل رہے ہو؟ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور ملک کے چند شہروں میں چند ہزار لوگ دھرنے کے لیے دستیاب ہو سکے۔مگر اتنے معمولی سے ردِعمل کو بھی بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔وہ حکومت، وہ ریاست اور وہ ذرائع ابلاغ جو بے نظیر کے قتل کے خلاف ردِعمل کا اعشاریہ ایک فیصد بھی نہ روک سکے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کی پاسداری میں ہونے والے احتجاج کو بھی ہضم نہ کر سکے۔ہمیں یاد ہے الطاف حسین اور اُن کی ایم کیو ایم نے سال میں 52 پُرتشدد ہڑتالیں کرائیں، مگر اسٹیبلشمنٹ بھی تماشائی بنی رہی اور حکومت بھی۔ جہاں تک ذرائع ابلاغ کا تعلق ہے تو ایم کیو ایم کی 35 سالہ پُرتشدد سیاست کے حوالے سے روزنامہ ''جسارت'' اور ہفت روزہ ''تکبیر'' کے سوا پاکستان کے تمام اخبارات، رسائل، جرائد اور ٹیلی ویژن چینلز ''ابلاغی زنخوں'' کا کردار ادا کرتے رہے۔وہ قوم کو 35 سال تک یہ بھی نہ بتا سکے کہ کراچی میں قتل و غارت گری کون کرتا ہے؟ پُرتشدد ہڑتالیں کون کرتا ہے؟ ہڑتالوں سے اربوں نہیں کھربوں کے نقصان کا ذمے دار کون ہے؟ ''ابلاغی زنخوں'' کے بقول یہ سارے کام ''نامعلوم افراد'' کرتے رہے۔مگر اب کراچی میں صرف تین دن کا دھرنا ہو گیا تو تمام ابلاغی زنخے اچانک ''مرد'' بن گئے۔ ہر اخبار اور ہر چینل بتا رہا تھا کہ راستے بند ہیں، لوگوں کو آمد و رفت میں مشکلات کا سامنا ہے، بندرگاہوں پر کام ٹھپ ہے، برآمدات میں کمی ہو رہی ہے۔تسلیم کہ دھرنا دینے والے ''اچھے لوگ'' نہیں ہوں گے، مگر حکومت، اسٹیبلشمنٹ اور ابلاغی زنخے کم از کم اس موضوع، اس ہستی ہی کے احترام میں خاموش رہ لیتے، جس کی وجہ سے دھرنے ہو رہے تھے۔مگر ''ابلاغی زنخے'' بھی میدان میں آ گئے اور ''فحش ازم'' کے علم بردار عمران خان نے بھی اچانک اپنی جیب سے ''فاشزم'' نکال کر قوم پر اچھال دیا۔

پاکستان کے سول اور فوجی حکمرانوں کی نفسیات اور تاریخ عجیب ہے۔یہ لوگ دشمن کے آگے ہتھیار ڈالتے ہیں۔ لڑے بغیر آدھا پاکستان بھارت کو پیش کر دیتے ہیں۔نائن الیون کے بعد ایک ٹیلی فونک دھمکی پر پورا پاکستان امریکہ کے حوالے کر دیتے ہیں، مگر قوم کا کوئی طبقہ انھیں چیلنج کرے تو یہ کم ظرف اپنی قوم پر شیر کی طرح دھاڑتے ہیں، اسے بتاتے ہیں کہ ریاست بڑی طاقت ور ہے، وہ تمھارا حشر نشر کر دے گی۔مگر یہ بات کہنے والے ''طاقت ور'' ہیں تو وہ بھارت کے آگے ہتھیار کیوں ڈال دیتے ہیں؟ وہ آگے بڑھ کر اپنی ''بے مثال طاقت'' کے ذریعے سے کشمیر کیوں نہیں چھین لیتے؟ بھارت نے

پاکستان توڑا ہے، یہ طاقت ور حکمران اپنی طاقت سے بھارت کے ٹکڑے کیوں نہیں کرتے؟ یہ حکمران امریکہ اور یورپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کیوں نہیں کرتے؟ یہ اپنی طاقت سے 70 سال میں بھی ملک وقوم کی تقدیر کیوں نہیں بدل پاتے؟ یہ کیوں بھکاریوں کی طرح در در بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور پوری بے شرمی کے ساتھ بھیک کو "Package" کا نام کیوں دیتے ہیں؟ ارے قوم تو بے چاری نہتی ہے۔ تمھارے پاس طیارے ہیں، ٹینک ہیں، توپیں ہیں، اسلحہ ہے، فوج ہے، پولیس ہے، اس کے باوجود حکمران قوم کے سرمائے سے حاصل کیے ہوئے اسلحہ کو قوم پر تانتے ہیں، اس سے ڈراتے ہیں کہ ہم تمھاری ایسی کی تیسی کردیں گے۔ بزدلو! تم اتنے ہی بہادر ہو تو قوم کو بھی طیارے، ٹینک، توپیں، فوج اور پولیس دے کر پھر قوم کو للکارو۔ پھر دیکھو تمھارا کیا حال ہوتا ہے۔ بے شرمو، بے حیاؤ! حکمران قوم کے لیے باپ کی طرح ہوتے ہیں اور کوئی باپ اپنی اولاد کو اپنی فوج، اپنے طیاروں، اپنے ٹینکوں، اپنی بندوقوں کی طاقت سے نہیں ڈراتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم قوم کے باپ نہیں ہو، صرف جرائم پیشہ ہو۔ تمھاری ذہنیت میں ہمیشہ جرم کلبلاتا رہتا ہے۔ معروف صحافی کاشف عباسی اور رؤف کلاسرا ایک ٹی وی پروگرام میں شکایت کررہے تھے کہ اقتدار میں آنے سے قبل عمران خان صحافیوں کی مجلس میں آتے تھے تو فرداً فرداً سب سے ہاتھ ملاتے تھے اور فواد چودھری ''کاشف بھائی'' کہہ کر کاشف عباسی کو مخاطب کیا کرتے تھے، مگر جب سے وہ وزیر اطلاعات ونشریات بنے ہیں ''ہیلو کاشف'' کہتے نظر آتے ہیں۔ کم ظرف لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اصول ہے: جیسی روح ویسے فرشتے۔ جیسا عمران خان ویسے اس کے سرپرست۔ پاکستان کی تاریخ کا ایک المیہ یہ ہے کہ لوگ ذوالفقار علی بھٹو، نواز شریف، الطاف حسین اور عمران خان کو دیکھتے ہیں اور ان کی شکایت کرتے ہیں، مگر وہ ان ''عظیم رہنماؤں'' کو تخلیق کرنے والی اسٹیبلشمنٹ کو نہیں دیکھتے۔ بھئی Product بری ہے تو ''کارخانے'' میں بھی تو کوئی بڑا عیب ہوگا۔ آخر اس کی ہر Product عیب دار کیوں ہوتی ہے؟ لیکن ہمیں زیر بحث موضوع سے دور نہیں جانا چاہیے۔

عمران خان نے فرمایا ہے کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہے اور ملک میں قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بن سکتا اور معلونہ آسیہ کا فیصلہ آئین کے تحت کیا گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ فیصلہ آئینِ پاکستان کے تحت نہیں بلکہ امریکہ اور یورپ کی خواہش اور دباؤ کے تحت ہوا ہے۔ گزشتہ کالم میں یہ بات ثابت کردی گئی تھی۔ اس سلسلے میں تازہ ترین شہادت روزنامہ جنگ کراچی کے صفحۂ اوّل پر دو کالمی سرخی کے ساتھ شائع ہونے والی یہ خبر ہے:

''آسیہ کی رہائی کے فیصلے کا امریکہ، اقوامِ متحدہ اور برطانوی وزیر اعظم نے خیر مقدم کیا ہے۔ یورپی پارلیمنٹ کے پاکستانی رکن سجاد کریم نے آسیہ بی بی کی رہائی کے اقدام کو پاکستان اور یورپی یونین کے درمیان تعلقات کے لیے انتہائی احسن قرار دیا ہے، جبکہ امریکی کمیشن نے کہا ہے کہ آسیہ کی طرح دیگر ملزموں کو بھی رہا کیا جائے۔ برطانوی نشریاتی ادارے کے مطابق آسیہ کی رہائی کا ذکر برطانوی پارلیمنٹ میں بھی ہوا اور ایک برطانوی رکن پارلیمنٹ نے برطانوی وزیر اعظم تھریسامے سے پوچھا کہ کیا وہ آسیہ کی سزا کو کالعدم قرار دینے کے حوالے سے عمران خان اور جسٹس ثاقب نثار کی جرأت و بہادری اور مذہبی آزادی کے پیغام کی تعریف کریں گی؟'' (روزنامہ جنگ، کراچی۔ 2 نومبر 2018ء۔ صفحہ اوّل اور صفحہ 12)

آپ اس خبر کو گزشتہ ہفتے فرائیڈے اسپیشل میں شائع ہونے والے ہمارے کالم کے مواد کے ساتھ ملا کر پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ گزشتہ کالم میں جو کچھ کہا گیا تھا وہی اصل بات ہے۔ کیا ایک ارب 60 کروڑ مسلمانوں میں سے کسی معقول شخص نے کبھی امریکہ، یورپ اور اقوامِ متحدہ کو کسی ایسی اطلاع کی تعریف کرتے ہوئے دیکھا ہے جو اسلام، مسلمانوں یا کسی مسلم ملک کے مفاد میں ہو؟ امریکہ اور یورپ جمہوریت جمہوریت کرتے ہیں، مگر مسلم دنیا میں کوئی اسلامی تحریک جمہوریت کے ذریعے میں اقتدار میں آ جائے تو انھیں سانپ سونگھ جاتا ہے اور وہ اسلامی تحریک کے جمہوری اقتدار کے خلاف سازشیں کرنے لگتے ہیں۔ جنوبی سوڈان اور مشرقی تیمور میں عیسائی آزادی کی جدوجہد کریں تو دو ڈھائی سال میں امریکہ، یورپ اور اقوامِ متحدہ انھیں آزادی دلا دیتے ہیں، مگر کشمیر فلسطین کے مسلمان بھارت اور اسرائیل کے خلاف جدوجہد کریں تو انھیں 70 سال کے بعد بھی آزادی میسر نہیں آپاتی، جبکہ امریکہ، یورپ اور اقوامِ متحدہ کشمیر اور فلسطین کی آزادی کے لیے سرگرم حماس اور حزب المجاہدین کو دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔

مغرب سے معلونہ آسیہ کے مقدمے کا کیا تعلق ہے، اس کی تصدیق کے لیے سپریم کورٹ کے تین رکنی بینچ کے فیصلے کے بعد روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہونے والی یہ خبر ہی کافی ہے۔ روزنامہ جنگ کی صفحۂ اوّل پر شائع ہونے والی خبر کے مطابق:

''آسیہ بی بی کے شوہر نے امریکی صدر سے مدد اور پناہ مانگ لی ہے۔ ایک ویڈیو پیغام میں انھوں نے کہا کہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ پاکستان سے رخصتی میں ہماری مدد کریں۔ انھوں نے مزید کہا کہ میں برطانیہ کی وزیراعظم اور کنیڈا کے وزیراعظم سے بھی یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہماری مدد کریں۔ آسیہ کے شوہر عاشق مسیح نے ایک انٹرویو میں یہ بھی کہا کہ انھیں اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی سلامتی کے بارے میں تشویش ہے''۔

(روزنامہ جنگ، کراچی۔ 5 نومبر 2018ء)

یہ خبر بتارہی ہے کہ ملعونہ آسیہ کو ''میرٹ'' پر نہیں، مغرب کے سیاسی و معاشی دباؤ پر رہا کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب ملعونہ آسیہ ''میرٹ'' پر رہا ہوئی ہے تو وہ جنرل باجوہ، عمران خان اور جسٹس ثاقب نثار سے تحفظ کی اپیل کیوں نہیں کررہی؟ اس کا شوہر امریکہ کے صدر اور برطانیہ کی وزیراعظم کے آگے دستِ سوال کیوں دراز کررہا ہے؟ سوال یہ بھی ہے کہ جب صرف ''مٹھی بھر انتہا پسند'' ملعونہ آسیہ کے دشمن ہیں تو اسے جنرل باجوہ، سول جنرل عمران خان اور جسٹس ثاقب نثار جیسے لبرل پاکستانیوں کے سمندر عدمِ تحفظ کیوں لاحق ہے؟ آخر مٹھی بھر انتہا پسند ملعونہ آسیہ کا کیا بگاڑ لیں گے؟

تجزیہ کیا جائے تو عمران خان نے قوم سے اپنے خطاب میں پاکستان کے اسلامی آئین کو حکمرانوں کی ہر خرابی کی آڑ بنا دیا ہے۔ ارے جناب! اسلامی آئین کی صرف موجودگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ریاست اور معاشرہ اسلامی ہوگیا۔ عمران خان گزشتہ چالیس سال سے کوئی ایسی مثال لاکر دکھائیں جس سے یہ ثابت ہو کہ پاکستان کے اسلامی آئین نے ریاست اور معاشرے کو حقیقی معنوں میں اسلامی بنایا ہے۔ ریاست ہو یا سیاست، عدلیہ ہو یا ذرائع ابلاغ، معیشت ہو یا تعلیم،

آرٹ ہو یا کلچر، بین الاقوامی تعلقات ہوں یا صوبائی تعلقات...... کسی بھی شعبے پر پاکستان کے اسلامی آئین کا کوئی اثر نہیں۔ چنانچہ عمران خان نے یہ کہہ کر سفید جھوٹ بولا کہ معلونہ آسیہ کی رہائی کا فیصلہ اسلام یا اسلامی آئین کے مطابق ہے۔

عمران خان نے اپنے خطاب میں دھرنے والوں سے یہ بھی فرمایا کہ ریاست اپنے ذمے داری پوری کرے گی۔ عمران خان ذرا بتائیں تو ریاست نے گزشتہ 71 سال میں کون کون سی ذمے داری پوری کی ہے؟ ملک کو آزاد ہوئے 71 سال ہو گئے مگر ملک کی 60 فیصد آبادی ابھی تک ناخواندہ ہے۔ ملک کو آزاد ہوئے 71 سال ہو گئے مگر ملک کی 70 فیصد آبادی کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں۔ ملک کو آزاد ہوئے 71 سال ہو گئے مگر ملک کی 70 فیصد آبادی بیمار پڑے تو اسے علاج کی مناسب سہولت میسر نہیں۔ ملک کو آزاد ہوئے 71 سال ہو گئے اور ملک کی آدھی سے زیادہ آبادی خطِ غربت سے نیچے کھڑی ہے۔ ملک کو آزاد ہوئے 71 سال ہو گئے اور ہم ملک بننے کے صرف 24 سال بعد آدھے ملک سے محروم ہو گئے۔ ملک کو آزاد ہوئے 71 سال ہو گئے اور آج تک ہم ''ایک قوم'' نہیں بن سکے۔ یہ ہے پاکستان کی فوجی اور سیاسی اشرافیہ کی ''ذمے داری'' کا حال۔ کراچی ملک کا سب سے جدید، سب سے بڑا، سب سے اہم شہر ہے اور وہ ملک کو وسائل 60 سے 70 فیصد فراہم کرتا ہے، مگر کراچی کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں، کراچی کی بیشتر سڑکیں ٹوٹی پھوٹی ہیں، جگہ جگہ گٹر ابل رہے ہیں، شہر سے اب بھی 45 فیصد کچرا اٹھایا نہیں جا رہا۔ کیا یہ ہے پاکستان کے بے حیا حکمران طبقے کی ''ذمے داری''؟

توہینِ رسالت کے مقدمے پر چند لوگ سڑکوں پر نکل آئے تو اچانک عمران خان کو ''ریاست کی ذمے داری'' یاد آ گئی! کیا ریاست کی ذمے داری صرف اتنی ہی ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو گولی مارتی رہے، انھیں کچلتی رہے، انھیں دباتی رہے، انھیں خوف زدہ کرتی رہے؟ کیا اسٹیبلشمنٹ کا مہرہ عمران خان چاہ رہا ہے کہ لوگوں کو ریاست کی ''واحد ذمے داری'' دیکھ کر ریاست سے بھی نفرت ہو جائے؟ عمران خان اسٹیبلشمنٹ کے جوتے چاٹیں، مگر وہ لوگوں کو ریاست پاکستان کے خلاف بھڑکانے کا غلیظ کام تو نہ کریں۔ ہم اسٹیبلشمنٹ کی طاقت کی نفسیات کی وجہ سے آدھا ملک کھو چکے ہیں، بلوچستان ہمارے ہاتھ سے نکلتے نکلتے بچا ہے۔ ایم آر ڈی کی تحریک کے دوران مولانا نورانی اور پروفیسر غفور جیسے رہنما کہہ رہے تھے کہ دیہی سندھ میں مشرقی حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ کراچی 1990ء کی دہائی میں ہمارے ہاتھ سے پھسلتے پھسلتے بچا ہے۔ لوگ سمجھتے نہیں ہیں فحش ازم جنسی شہوت کا نام ہے اور فاشزم طاقت کی شہوت کا۔ ان میں اصولی اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ عمران خدا سے ڈریں، اور ایک شہوت کو دوسری شہوت سے تبدیل نہ کریں۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ عمران خان، آصف زرداری، نواز شریف، سپریم کورٹ اور اسٹیبلشمنٹ میں کئی طرح کی محاذ آرائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ سپریم کورٹ کے جج نواز شریف کو گاڈ فادر اور مافیا کہتے ہیں۔ نواز شریف اسٹیبلشمنٹ کو خلائی مخلوق کہہ کر پکارتے ہیں۔ میاں شہباز شریف زرداری کو سڑکوں پر گھسیٹنا چاہتے ہیں۔ عمران خان آصف زرداری اور نواز شریف کو ڈاکو کہتے ہیں۔ اسٹیبلشمنٹ کو نواز شریف اور آصف علی زرداری ایک آنکھ نہیں بھاتے مگر ملعونہ آسیہ کی رہائی پر ان کے حوالے سے پانچ قالب ایک جان کا منظر طلوع ہوا۔ امریکہ اور یورپ کے حوالے سے یہ شعر یاد آ کر رہ گیا:

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو ''سبھی'' ایک ہوئے

ملعونہ آسیہ کی رہائی کا فیصلہ آیا تو دھرنے شروع ہوئے اور عمران خان اور ان کے نفسِ امّارہ فواد چودھری نے فاشزم کا مظاہر کیا تو نواز لیگ نے صاف کہا کہ وہ حکومت کے ساتھ ہے اور جس طرح عمران نے مفاد پرستی کی سیاست کی، وہ اس مسئلے پر سیاست نہیں کرے گی۔ آصف زرداری نے جیو کے حامد میر کو انٹرویو دیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ حکومتِ وقت اور اداروں کی حمایت کی بلکہ انھوں نے اس مسئلے کو دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی نام نہاد جنگ سے جوڑ دیا اور کہا کہ ہم اس حوالے سے کیے جانے والے اقدامات کی حمایت کریں گے۔ جیو والے، عمران خان پر ''ڈونکی کنگ'' کے عنوان سے توہین آمیز فلم بنا چکے ہیں، مگر ملعونہ آسیہ کی رہائی کے حوالے سے انھوں نے عمران خان اور ''اداروں'' کی مکمل تائید کی۔ اس سے کئی حقائق آشکار ہوتے ہیں۔ اس سے ایک حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کی بالا دستی کسی کو مطلوب نہیں اور اس حوالے سے ''اصل میں سارے ایک ہیں''۔

اس صورتِ حال سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی کو امریکہ اور یورپ کا پاکستان چاہیے، کسی کو اسٹیبلشمنٹ کا اسلام۔ اقبال اور قائد اعظم کا ''اوریجنل پاکستان'' کسی کی ضرورت نہیں، اِلّا یہ کہ اسلام کو Expliot کر کے کوئی فائدہ اٹھانا ہو۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ پاکستان میں اسلام یتیم و یسیر ہے۔ اس صورتِ حال سے یہ امر بھی عیاں ہوتا ہے کہ جو لوگ اسٹیبلشمنٹ، عمران خان، میاں نواز شریف یا آصف علی زرداری کے اتحادی ہیں ان کا ایمان خطرے میں ہے۔

کالم لکھا جا چکا تھا کہ عمران خان کے نفسِ امّارہ اور سول لیفٹیننٹ جنرل فواد چودھری کا یہ بیان سامنے آگیا کہ دھرنے میں عدلیہ اور فوجی قیادت کی توہین بغاوت ہے، ریاست اسے بھلائے گی نہیں اور کسی کو معافی نہیں ملے گی۔ سول لیفٹیننٹ جنرل فواد چودھری کے اس بیان سے ایسا لگتا ہے کہ ہماری اسٹیبلشمنٹ اور فوجی اور سول حکمرانوں کا حافظہ بہت قوی ہے، حالانکہ ان کا حافظہ اتنا کمزور ہے کہ وہ یہ تک بھول گئے ہیں کہ ان کی حماقتوں اور کوششوں سے یہ شاندار ملک 1971ء میں ٹوٹ چکا ہے۔ سقوطِ ڈھاکا مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے بڑا سانحہ ہے، اس لیے کہ اس کے نتیجے میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست آدھی رہ گئی اور ہمارے 90 ہزار فوجیوں نے نہایت شرمناک انداز میں بھارت کے سامنے ہتھیار ڈالے۔ ہماری فوجی اور سول اسٹیبلشمنٹ کا حافظہ قوی ہوتا تو سقوطِ ڈھاکہ ہمارے ہر درجے کے نصاب کا حصہ ہوتا، ہم ہر سال سرکاری سطح پر اس کی یاد مناتے، اس کے اسباب اور محرکات پر ریاست کی سرپرستی میں تحقیق ہوتی تاکہ ہم اس سانحے کے ذمے داروں کا تعین کرتے اور انھیں پوری قوم کے لیے قابلِ نفرت بناتے۔ مگر ہماری فوجی اور سول اسٹیبلشمنٹ نے سقوطِ ڈھاکا کو قوم کے شعور اور ضمیر سے کھرچنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ جاپان پر دو ایٹمی حملوں سے صرف دو ڈھائی لاکھ افراد ہلاک ہوئے تھے، مگر جاپان 73 سال سے ایٹمی حملوں کو سرکاری سطح پر یاد رکھے ہوئے ہیں۔ خود ہمارے حکمران پشاور میں آرمی پبلک اسکول پر حملے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، اس کے حوالے سے اخبارات میں خصوصی صفحات شائع کرائے جاتے

ہیں، ٹیلی ویژن پر خصوصی رپورٹیں نشر ہوتی ہیں، اور کیوں نہ ہوں؟ اس روز دہشت گردوں کے حملے میں ہمارے دوسو سے زیادہ بچے شہید ہوئے تھے۔ مگر سقوطِ ڈھاکا کے وقت تو لاکھوں افراد ہلاک ہوئے تھے، ہزاروں بنگالی عورتوں کا Rape ہوا تھا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ اس اعتبار سے ہمیں سقوطِ ڈھاکا کو یادر کھنے کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے، مگر ہر سال 16 دسمبر آتی ہے اور ہر طرف سناٹے کا راج ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فواد چودھری کا یہ دعویٰ درست نہیں کہ ریاست پاکستان کا حافظہ قوی ہے۔ دوسری بات یہ کہ عدلیہ اور فوجی قیادت کی توہین بری بات ضرور ہے مگر اسے بغاوت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ بغاوت تو پاکستان کے نظریے کو پامال کرنا ہے۔ ملک کی وحدت پر حملہ کرنا ہے دشمن کے آگے ہتھیار ڈالنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا 70 سال کی تاریخ میں کبھی کسی کو ان حوالوں سے سزا دی گئی؟

فواد چودھری نے ایک بیان میں یہ بھی فرمایا ہے کہ حکومت سوشل میڈیا کو ریگولیٹ کرے گی۔ ضرور کرے، لیکن غالباً حکومت کو یہ خیال اس لیے آیا ہے کہ سوشل میڈیا حکومت کے قابو میں نہیں اور حکمران سوشل میڈیا پر عوامی غیظ وغضب کا نشانہ بنتے رہتے ہیں۔ یہ سامنے کی بات ہے کہ پورا پریس، تمام ٹیلی ویژن چینل اور خود سوشل میڈیا کا ایک بڑا حصہ اسٹیبلشمنٹ کی گرفت میں ہے اور اس دائرے میں آزادیٔ اظہار ایک خواب بنتی جارہی ہے مگر یہاں فحش ازم اور فاشزم کے ذمے دار اور ان کے سرپرستوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ معاملات کو ریگولیٹ کیا جائے۔ البتہ سوشل میڈیا کی آزادی انھیں خوف زدہ کیے ہوئے ہے۔ لبرل سوشل میڈیا کو ریگولیٹ کرنے والے عمران خان کے فحش ازم اور فاشزم کو بھی ریگولیٹ کریں۔ فواد چودھری کی زبان اور ان کے سرپرستوں کے دماغ کو بھی ریگولیٹ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام سوشل میڈیا کو ریگولیٹ کرنے سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

فواد چودھری نے یہ بھی فرمایا ہے کہ فسادیوں اور کچھ سیاست دانوں کو ''خلا'' میں بھجوائیں گے۔ یہ بہت اچھی بات ہے، مگر جس طرح فسادیوں اور سیاست دانوں کو خلا میں بھیجنے کی ضروت ہے، اسی طرح اسٹیبلشمنٹ اور اس کے مہرے عمران خان کو بھی مذہبی، تہذیبی، تاریخی، اخلاقی اور علمی خلا سے واپس بلانا ضروری ہے۔ اس لیے اسٹیبلشمنٹ اور عمران خان کو مذہبی، تہذیبی، تاریخی، اخلاقی اور علمی خلا میں گئے ہوئے مدتیں ہو چکی ہیں۔

گھر آمنہ دے

خان محمد کمتر مرحوم

(۱) گھر آمنہ دے مٹھے دلبردا تشریف لے آون بسم اللہ
ایندے خُلق تے خَلق دیوانی ہوئی ایندا خُلق ڈِکھاون بسم اللہ
تک حسن تے کئی پروانے تھئے ایندے خُلق دے کئی دیوانے تھئے
کئی بھج بھج آون قدمیں سائیں دے ڈھاون شان اعلی پاون
پر سب توں پہلے صدیق اکبر دا نام لکھاون بسم اللہ
(۲) کڈاہیں ذکر اندر پیاں راتاں کٹن کڈاہیں عرشاں اتے ملاقاتاں ہوون
موسیٰ آپے منگے اینکوں رب سائیں سڈے ایندے رتبے وڈے
پا کے مکّے دے موچیاں دے جوڑے ایندا عرشاں تے جاون بسم اللہ
(۳) یندا شان بلند بلند تھیا دروازہ نبوت دا بند تھیا
گل ساری مکی کسے باقی نبی دی نہ حاجت رہی
اس تاجِ ختمِ نبوت نوں سائیں دا ٹھکاون بسم اللہ
(۴) جدوں فسق و فجور طوفان چڑھا آیا فخر الرسل ختم الانبیاء
عبداللہ دا چن سلطانِ زمن مٹھا مدنی موہن
انھاں لات منات پرستاں نوں توحید سکھاون بسم اللہ
(۵) کیویں صفت ثناء کرے کوئی بشر خود واصف جیندا ربّ اکبر
شافع روزِ جزا خاتم الانبیاء شان افضل ڈھیہا
اس کمتر جئے گناہگاراں تے ایندی دید بھنواون بسم اللہ

☆......☆......☆

نقد و نظر

امام اہلِ سنّت ،مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(معروف شاعر اور ادیب جناب سید امین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ مجلس احرار اسلام سے وابستہ تھے اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے خصوصی محبت کا تعلق رکھتے تھے۔ ان کی شاعری کے موضوعات میں دینی و قومی مباحث بالخصوص عقیدہ ختم نبوّت کے تحفظ کو سر نامہ کی حیثیت حاصل تھی۔ تحریکِ مقدس ختم نبوت کے دورِ اوّل سن ۱۹۵۳ء میں ان کو قید و بند کی صعوبتوں سے بھی گزرنا پڑا۔ اس کے بعد بھی تا آخر دم وہ اس مبارک جدّ و جہد سے جڑے رہے، تحریک کے جلسوں میں وہ اپنی ہی کہی ہوئی نعتیں اور نظمیں ترنّم کے ساتھ پڑھتے تو مجمع جھوم جھوم جاتا، زیرِ نظر تحریر ان کی نظموں کے مجموعے ''آئینِ جواں مرداں'' پر مقدمہ کے طور پر لکھی گئی اور ان کی کتاب میں شاملِ اشاعت ہے۔ ادارہ)

الحمدُ للّٰہ وَحدہٗ والصَّلوٰۃُ والسّلامُ عَلَی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ و عَلَیٰ آلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ وَ اَزۡوَاجِہٖ وَ ذُرِیَّاتِہٖ وَ اَتۡبَاعِہٖ الَّذِیۡنَ اوفوا عَھۡدَہٗ امّا بَعۡدُ !

(۱) دنیا میں کوئی اچھائی اور بھلائی ایسی نہیں جو اسلام میں موجود نہ ہو۔ یقیناً جو قانون دین و دنیا کو ایک صف میں لا کھڑا کرے اس کی جامعیت کے دعویٰ پر کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی۔

نبوّت اپنے معنی اور مقصد کے لحاظ سے چونکہ عام انسانی سطح سے بے انتہا بلند ہے، اس لیے وہ کسب اور سعی کی مرہونِ منت نہیں ہوتی، اس کا قاعدہ وحی و الہام ہے، اس کا لاؤلشکر دلائل و معجزات ہیں، اس کے ہتھیار اخلاق و اعمال اور ان سب کی جلوہ گری کا بالکل فطری اور عقلی ذریعہ فصاحت و بلاغت کے دریا بہانے والا طرزِ ادا اور طریقِ بیان ہوتا ہے۔ جسے صرف و نحو کے مصنوعی سانچوں اور شعر و انشاء کے خود ساختہ پیمانوں میں ڈھالنے اور ناپنے سے خالق مطلق نے ہمیشہ کے لیے بے نیاز کر دیا ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام کو چھوڑ کر ساری مخلوق انھی ذرائع کو اختیار کرنے پر طبعاً و فطرتاً مجبور ہے، مگر ضابطہ کی پابندی اور حفظِ مراتب کی قید یہاں بھی اسلام نے لگا دی تا کہ زندگی کا یہ گوشہ بھی آوارہ اور بے لگام نہ رہ جائے۔

(۲) شعر کے متعلق افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد ہے: ھُوَ کَلَامٌ فحسنُہٗ حَسَنٌ وَ قَبِیۡحُہٗ قَبِیۡحٌ. یعنی وہ بھی کلام ہی کی ایک قسم ہے۔ اس کا اچھا اچھا ہے اور بُرا بُرا۔

پھر اچھائی اور برائی کا معیار بھی خود قائم فرمایا کہ: مِن حُسنِ اسلام المَرۡءِ تَرۡکُہٗ مَا لا یَعۡنِیۡہِ. یعنی کسی آدمی کے اسلام کی خوبی اس کا بے مصرف اور فضول باتوں کو چھوڑ دینا ہے۔

پھر لایعنی امور کی تعیین کے ضمن میں خود ہی یہ ارشاد فرمایا کہ: ھَلَکَ الۡمُتَنَطِّعُوۡنَ ! یعنی تصنّع اور مبالغہ والے زبان درازوں کی ہلاکت اور بربادی مقدر ہو چکی ہے۔

پھر ان تصنّع اور مبالغہ کرنے والے زبان درازوں کی ہلاکت کا بنیادی سبب بھی خود ہی بتا دیا کہ: مَنۡ تَعَلَّمَ صَرۡفَ الۡکَلامِ لِیَسبی بِہٖ قُلُوبَ الرِّجَال إلیہ لَمۡ یَقۡبَلِ اللّٰہُ مِنۡہِ یومَ القِیٰمَۃِ صرفاً وَّلا عدلاً یعنی جس نے

باتوں کا الٹ پھیر صرف اس لیے سیکھا کہ لوگوں کے دل قابو کر سکے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا کوئی حیلہ اور فدیہ قبول نہیں کریں گے۔

پھر باتوں کے ریاکارانہ الٹ پھیر کی مذموم حرفت کی اصل علت اور غرض پر بھی خود ہی تنبیہ فرمائی کہ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّی یَخْرُجَ قَومٌ یاکُلُونَ بِاَلْسِنَتِهِمْ کَمَا یَأ کل البَقَرَةُ ! یعنی قیامت نہیں قائم ہوگی یہاں تک کہ ایک ایسی ''قوم'' پیدا ہو جائے گی جو اپنی زبانیں چلا کر یوں کما کھائے گی جیسے گائے بیل منہ مارتے اور چرتے ہیں۔

پھر ان ناپاک اغراض سے ملوث فنِ شعر کی حقیقت اور اس کے مکروہ اور گھناؤنے باطن کو بھی خود ہی یوں بے نقاب فرمایا کہ: لَأن یمتلیٔ جوفُ رجُلٍ قیحًا ، خَیْرٌ من اَن یمتلیٔ شِعْراً ! یعنی کسی آدمی کا پیٹ ''پیپ'' سے بھرا ہوا ، بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ شعر سے پُر ہو۔

پھر اسی شعر کی اصل دینی غرض و غایت کی تمہید یوں بیان فرمائی کہ: اِنَ مِنَ الْشِعرِ لحِکْمَةً ! یعنی یقیناً بعض ''شعر'' سراپا ''حکمت'' ہوتے ہیں۔

پھر اسی حکمت اور دانائی کے اظہار کے لیے مطلوبہ اوصاف اور پیرایۂ بیان کی وضاحت یوں فرمائی کہ: اَصدَقُ کَلِمَةُ قالها الشَّاعرُ کَلِمَةُ لِبید (رضی اللّٰه عنه) " اَلَا کَلُّ شیئی مَا خَلا اللّٰهُ باطلا " یعنی سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہو وہ لَبید (رضی اللہ عنہ) کا یہ قول ہے: ''اچھی طرح سن لو! اللہ کے سوا ہر چیز بے بنیاد اور فانی ہے''۔

پھر اس مطلوبہ حکمت اور سچائی کی حقیقی قدر و منزلت اور اسلام میں اس کے عباداتی مقام کے اظہار کے لیے طریقہ اور سنت بھی خود ہی متعین فرما دیا:

عن عَائشةَ (الصِّدیقةِ سلام الله علیها) قالت کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یَضعُ لحسَّانِ منبرا فی المسجدِ یقوم علیه قائماً یُفَاخر عن رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم أو ینافح و یقول رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اِن اللّٰه یؤیّد حسان بروح القدس ما نافح أو فاخر عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم (مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام حسان بن ثابت (شاعرِ اسلام) کے لیے مسجد نبوی میں خود منبر رکھتے تھے تاکہ وہ اس پر کھڑے ہوں، پھر حالت یہ ہوتی تھی کہ وہ حضور علیہ السلام کی نسبت اور آپ کی طرف سے اظہارِ فخر اور دین کی مدافعت شروع کر دیتے ہیں اور حضور علیہ السلام، اسلام پر اظہارِ فخر اور دینی مدافعت کے لیے یہ فرماتے رہتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعہ حسان کی مدد اور تائید فرماتے ہیں۔

۳۔ برادرِ عزیز سید امین گیلانی (ایَّدہ بروح القُدُس، آمین) کو ذاتی اور جماعتی دوگونہ تعلقات کی بنا پر دوسروں کی نسبت زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں۔ تقسیم ملک سے پہلے ان کے ''رندانہ ماضی'' کی تندیوں اور جولانیوں کو دیکھا، اب ''درویشانہ اور مجاہدانہ حال'' کی وارفتگیوں اور سرمستیوں سے آنکھیں ٹھنڈی ہو رہی ہیں اور مومنانہ انجام کی برکتوں اور لطافتوں کے آثار محسوس کر کے دل و دماغ مسرور ہیں اور روح مسرور ہوئی جا رہی ہے۔ بَارَکَ اللّٰهُ فِی الدُّنیا وَالآخرة . آمین!

خصوصاً ''تحریک مقدس ختمِ نبوّت'' میں زبان و قلم اور قید و بند کی عملی شرکت سے سعادت حاصل کرنے کے بعد ان کے فکر و عمل میں جو زلزلہ بپا ہوا ہے، اس نے ان کی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ ان کی ''دنیا''،

''دین'' بن گئی ہے، کیونکہ وہ اسلام کے مردود لایعنی اور باطل پیشہ سخن وری کے بجائے حکمت وصداقت کے علمبردار فنِ شعر میں قدم رکھ چکے ہیں۔ اس کے ذریعہ حصولِ رضائے ربانی، مدافعتِ دینِ قیّمہ اور تحفظِ ختمِ نبوت کا مقصودِ حقیقی حاصل کرنے اور ایمانی فرض ادا کرنے کے لیے ان کی زبان وقلم کی پوری صلاحیت صرف ہو رہی ہے، جو ہر دن بدن نکھر رہا ہے۔ سن وسال جوانوں کا مگر روح بڑی معمر، آثار اچھے ہیں، کیونکہ مقصد اٹل ہے اور عزم راسخ، اس لیے کلام میں یقین کی منزل کی جھلک آنا عین فطری ہے۔ انھی کی زبان سے ان کی ترجمانی ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ اسلام کے نام پر کفر وارتداد کی سرپرستی اور فسق وفجور کے جبری نفاذ پر موجودہ اقتدار کے متعلق غیرت ایمان وسوز ودرد کا اظہار اور اس کے مقابلہ میں تبلیغ اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے عزم اور ولولہ کا دو لفظی اظہار دیکھیے، کہتے ہیں:

خداوندا ! نظامِ گلستاں ہے کن کے ہاتھوں میں   ہر اک گل کی دریدہ ہے قبا دیکھا نہیں جاتا
تیری دنیا نے کیا کیا رنگ بدلے ! تو نے دیکھا ہے   مگر مجھ سے تو اے میرے خدا دیکھا نہیں جاتا

☆......☆......☆

مشکل ہی پڑے تو زیست کے دن ہوتے ہیں بسر آسانی سے   مشکل نہ پڑے جب تک کوئی، مشکل سے گزارہ ہوتا ہے
اور وہ ہونگے ہارنے والے ، ہار کے ہمت ہار گئے   تو؟ اور ہم کو جیت سکے گی؟ گردشِ دوراں! دیکھیں گے

دیکھنے، سننے والے خود ہی گواہی دیں گے کہ متانت، سلاست، پاکیزگی، درد وسوز، حلاوت، بصیرت، ولولہ، عزم اور یقین وایمان ان کے کلام کے حقیقی عناصر اور نمایاں اوصاف ہیں۔ مدت سے انتظار تو مکمل دیوان کا تھا مگر انھوں نے وقتی ضرورت کے تحت ''آئین جوانمرداں'' کے نام سے ایک مختصر سا شعری گلدستہ سجا کر قدردانوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس میں کچھ قومی اور سیاسی غزلیں ہیں۔ درمیان میں ختمِ نبوّت کے مقدس موضوع پر دل دوز اور پُرسوز نظموں اور قطعات کا حصہ ہے اور پھر دین کے حقیقی واسطہ کے سلسلہ میں کچھ منظومات اور قطعات سے خاتمہ بالخیر ہوا ہے۔ عجوبہ اور حادثہ یہ ہے کہ مجموعہ کے ابتدائی صفحات ''نقد ونظر'' کے عنوان سے مخصوص کر کے مجھ جیسے ''مُلّائے مکتبی'' کو نسبی اور جماعتی تعلق کی بنا پر انھوں نے تقدمہ نویسی کے لیے منتخب کیا ہے۔ یہ انتخاب محض ان کے اخلاص ومحبت اور حسنِ ظن کا مظاہرہ ہے، ورنہ اپنے میں ''نقد'' کی تو سرے سے صلاحیت ہی نہیں اور ''نظر'' سے باطن پہلے ہی محروم ہے، اصل میں تو یہ کام اہل بصیرت وفن اور اساتذہ کا حصہ ہے۔ وَ لِکُل فن رِجال!

باقی رہا فن اور اس کے خصوصیات تو یہ بقامت کہتر بقیمت بہتر مجموعہ جو، اب ''دامانِ خیال'' کے نام سے چھپ چکا ہے، اپنے محاسن پر خود ایک واضح شہادت اور عمدہ مثال ہوگا۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

واللہ اعلم یہ چند سطور خیالات ہیں، یا نظریات یا صرف وعظ؟ بہرحال امتثال امر کے لیے جو کچھ میسر ہوا قلم برداشتہ حاضر کر دیا گیا ہے۔ دعا ہے کہ پروردگارِ عالم اس مومن، مخلص، مجاہد، غیّور، رندِ فقیر اور جواں سال سخنور کو ''شاعرِ اسلام'' کے منصب عالی پر قائم ودائم فرمائے۔ اس کے دل ودماغ کو ملکوتی امداد اور تائیدِ غیبی سے بہرۂ وافر عطا کرے۔ اس کی زبان وقلم کو فن کی تمام خوبیوں سے مزین کر کے شعلۂ وشبنم کا امتزاج بخشے۔ کفر وباطل کے لیے سیفِ بے نیام اور دین واہل دین کے حق میں سپر بنائے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نسبی تعلق کی برکت سے دین ودنیا میں کامرانی نصیب فرمائے۔ آمین

وسلام علی المُرْسلِیْن والحمدُ لِلّٰہ رَبِّ العالمین.   (۴/جمادی الاخریٰ، ۷۷ھ/۲۷/دسمبر ۵۷ء)

اکابرِ احرار اور قائدِ پاکستان جناب محمد علی جناح

(قدیم سیاسی روابط اور چند خوشگوار ملاقاتوں کا اجمالی تذکرہ)

مدبر احرار ماسٹر تاج الدین انصاری رحمۃ اللہ علیہ

یادِ ماضی:

ع...... تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو ؟

۱۔ زمانہ کروٹ بدلتا ہے تو حالات بھی پلٹا کھاجاتے ہیں۔آج سے تقریباً چالیس برس پہلے کی بات ہے جب مسلم لیگ کے عظیم رہنما ''قائدِ اعظم محمد علی جناح''، ابھی صرف ''محمد علی جینا'' کے نام سے پکارے جاتے تھے، اُن دونوں کانگرس اور مسلم لیگ میں کٹا چھنی یا چپقلش کی بہت کم گنجائش تھی۔ غالباً ۲۸ء کا ذکر ہے کلکتہ میں مسلم لیگ کا اجلاس ہونے والا تھا۔ مسلم لیگ دو متحارب گروہوں میں تقسیم تھی۔ایک گروپ کی سرداری مولانا محمد شفیع داؤدی مرحوم کررہے تھے۔ دوسرا مضبوط گروپ مسٹر جناح کا تھا، مولانا شفیع داؤدی بڑی شد ومد سے مسٹر جناح کی مخالفت پر کمر بستہ تھے۔ نظر بظاہر مولانا شفیع داؤدی کا پلّہ بھاری نظر آرہا تھا، پراپا گنڈے کے زور پر وہ مسٹر جناح کو شکست دینے کے لیے ہنگامہ آرائی پر تُل چکے تھے۔ کلکتہ کے بعض شوریدہ سر مولانا شفیع داؤدی کی حمایت میں پستولیں لیے پھرتے تھے۔ مسٹر جناح آئین شکنی اور ہنگامہ آرائی سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ اس صورتِ حال سے وہ کسی قدر گھبرائے ہوئے تھے۔ ہم اس اجلاس میں مسلم لیگ کے کونسلر کی حیثیت سے موجود تھے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ ہم میں سے بعض ارا کین کی فیس بھی آخری وقت میں ادا کی گئی تھی۔ رسید کے طور پر ہمیں بارہ روپے میں سینے پر آویزاں کرنے کے لیے خوبصورت بیج دیے گئے تھے، یہی بیج کونسلری کی رسید اور گیٹ پاس کا کام دیتے تھے۔ مولانا شفیع داؤدی کا گروپ سرمایہ پرست اور ٹوڈی قسم کے لوگوں پر مشتمل تھا۔ ہماری ہمدردیاں مسٹر جناح کے ساتھ تھیں۔ مسٹر جناح کانگرس سے باہر آ کر بھی ذہناً کانگرسی تھے۔ بہرحال ہمارا دلی لگاؤ اُنھی کے ساتھ تھا۔

مسلم لیگ کانفرنس کا انتظام:

۲۔ انتظامات کی ذمہ داری ہندوستان کے سابق وزیر خارجہ بمبئی والے، عبدالکریم چھاگلا کے سپرد تھی، مسٹر چھاگلا ان دنوں مسٹر جناح کے دستِ راست تھے۔ وہ خوبصورت، دُبلے پتلے اور شرمیلے سے نوجوان تھے۔ مسٹر جناح کو اُن پر بڑا اعتماد تھا، اِسی اعتماد کے صدقے میں مسٹر چھاگلا پروان چڑھے۔ ہم نے مسٹر جناح سے درخواست کی کہ وہ مسٹر چھاگلا سے کہہ کر گیٹ کی ذمہ داری ہمارے آدمیوں کے سپرد کردیں، ہمارے پنجابی ساتھی گیٹ کی پوری ذمہ داری سنبھال لیں گے، جو ہنگامہ ہونا ہے گیٹ ہی پر ہوجائے گا، ہم بہرحال اس سے بخوبی نپٹ لیں گے اور ووٹنگ کے وقت ہم آپ کے پاس اندر پہنچ جائیں گے۔ مسٹر جناح نے ہماری خواہش کے مطابق گیٹ کی پوری ذمہ داری ہمیں سونپ دی۔ خواجہ عبدالرحیم عاجز، ان کے امرتسری

نوجوان ساتھی اور دوسرے پنجابی نوجوانوں نے بحیثیت رضا کار گیٹ کا انتظام مضبوطی سے سنبھال لیا۔ مسٹر جناح ہمارے انتظام سے بالکل مطمئن ہو گئے۔ دوسرے دن اجلاس شروع ہونے سے ایک گھنٹہ پیشتر ہی کرایہ پر لائے ہوئے فریقِ مخالف کے غنڈا عناصر ٹولیاں بنا کر گیٹ کے گرد گھومنے پھرنے لگے، مگر جب ان لوگوں نے پنجابی نوجوانوں کو گیٹ پر پرا جمائے اور چاق و چوبند کھڑے دیکھا تو وہ بے حوصلہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگے اور گیٹ سے دور جا کھڑے ہوئے۔ اجلاس شروع ہونے سے قبل مسٹر جناح نے صدر جلسہ کی حیثیت سے اعلان کیا کہ جن لوگوں کے پاس داخلے کے نشان یعنی بیج نہیں ہیں، وہ حضرات باہر تشریف لے جائیں، مگر حاضر اراکین میں سے کوئی بھی بیج کے بغیر نہیں تھا۔ اتنے میں مولانا داؤدی گیٹ میں داخل ہوئے، ہم سب گیٹ کو مضبوط اور بہادر ساتھیوں کے حوالے کر کے مولانا داؤدی کے ساتھ ہی اندر پنڈال کی طرف بڑھے، ابھی ہم کرسیوں سے دور ہی تھے کہ اندر کے رضا کار ہم سب کو روک کر کھڑے ہو گئے، وہ چیک کر کے آگے جانے کی اجازت دیتے تھے۔ یہ ضابطے کی بات تھی، جونہی مولانا داؤدی آگے بڑھ کر ایک رضا کار کے قریب پہنچے، رضا کار نے اُنھیں روک لیا اور کہا کہ آپ کا بیج کہاں ہے؟ اگر جیب میں ہے تو نکال کر سینے پر لگا لیجیے تا کہ چیکنگ میں آسانی رہے۔ مولانا موصوف نے حیرانی سے اپنے سینے کی جانب نگاہ ڈالی تو بیج غائب تھا۔ ''ارے گیٹ پر آیا ہوں تو بیج میرے سینے پر موجود تھا، خدا جانے گیٹ پر گرایا اندر آ کر گر گیا''۔ رضا کار نے مولانا سے ادب کے ساتھ کہا، آیئے مولانا! گیٹ پر چل کر معلوم کر لیتے ہیں۔ رضا کار مولانا کو اپنے ہمراہ لے کر پنڈال سے باہر گیٹ پر چلا گیا۔ دس منٹ بعد گیٹ پر ہنگامہ ہوا۔ مولانا اور ان کے باہر والے ساتھی ہمارے رضا کاروں سے اُلجھ پڑے۔ مگر ضابطہ کے مطابق اُنھیں بیج بغیر اندر آنا نصیب نہ ہوا، وہ اندر آ بھی جاتے تو اُن کے ہم خیال ووٹ ہی کتنے تھے؟ اس طرح سرکاری ٹولی اور اُن کے لگے بندھے مسٹر جناح سے شکست کھا گئے۔ چند ووٹ تھے جو مسٹر جناح کے خلاف آئے باقی اراکین کی بہت بڑی اکثریت کے ووٹ مسٹر جناح کے حق میں تھے۔ ہماری اور قائداعظم کی یاد اللہ اس وقت سے تھی جب آج کے اکثر لیگی رہنما اس دنیا میں تشریف بھی نہ لائے تھے۔ مگر...... اس حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے کہ سیاسی میدان میں ہماری اور ان کی راہیں جدا جدا ہو گئیں، اس کے باوجود فریقین نے بارہا کوشش کی کہ بیچ کا پردہ ہٹے تو باہمی مشورہ اور اشتراک سے مسلمان قوم کی برتری کے لیے متحدہ محاذ قائم کیا جائے۔ اس سلسلہ میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں مگر بے نتیجہ۔

پہلی ملاقات:

۳۔ ۳۶ء میں پنجاب کی مسلم لیگ پر معدودے چند سرکار پرستوں کا قبضہ تھا، آزاد خیال لوگ خال خال نظر آتے تھے۔ ساری کارروائی کاغذی ہوتی تھی۔ مسٹر جناح پنجاب میں ایسی جاندار لیگ بنانا چاہتے تھے جو سرکاری اثرات سے پاک ہو، مگر یہاں کا ٹوڈی طبقہ اوپر کے اشارے پر جب چاہتا لیگ میں داخل ہو کر بیان بازی کر لیتا اور جب اشارہ ملتا خاموش ہو کر بیٹھ جاتا۔ سر فضل حسین حکومت برطانیہ کے قابلِ اعتماد، ذہین اور طاقتور مُہرے تھے۔ ان دنوں سر فضل حسین کا طوطی بولتا تھا۔ پنجاب پر دو طاقتوں کا قبضہ تھا؛ عوام کی نمائندگی میں احرار اور سرکار کی نمائندگی میں سر فضل حسین، احرار رہنماؤں سے سر فضل حسین کے تعلقات میں بظاہر کوئی کشیدگی نہ تھی۔ فضل حسین بے حد ذہین، سیاسی شاطر اور منتقم مزاج انسان تھے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا مسٹر جناح

پنجاب مسلم لیگ کو مضبوط بنیادوں پر اُستوار کرنا چاہتے تھے۔ وہ سرکار پرستوں سے چھٹکارا چاہتے تھے مگر اُنھیں عوام تک رسائی حاصل نہ تھی، وہ اس ارادہ سے پنجاب میں تشریف لائے تا کہ آئندہ الیکشن کے لیے میدان درست کیا جائے۔ وہ سر فضل حسین سے بھی مسلم لیگ کے بارے میں مُبادلۂ خیال کرنا چاہتے تھے۔ اِدھر سر فضل حسین بھی مسٹر جناح سے ملاقات کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسٹر جناح کو پنجاب کے پالیٹکس میں داخل ہونے سے حتّی الوسع روکا جائے، چنانچہ ان دونوں بڑے آدمیوں نے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں سر فضل حسین نے نہایت عیّاری سے کام لیتے ہوئے، ملاقات کے کمرے میں پردے کے پیچھے دو برطانوی جاسوسوں کو بٹھا دیا تا کہ وہ بھی مسٹر جناح کے خیالات اپنے کانوں سے سن لیں۔ ☆☆☆ بہر حال مسلم لیگ کو الیکشن کے میدان میں اتاریں گے، خواہ اُنھیں کانگرس سے کوئی سمجھوتا ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ سر فضل حسین نے مسٹر جناح کو بے حوصلہ، دل برداشتہ اور مایوس کرنے کی انتہائی کوشش کی اور آخر میں اُنھیں کہا کہ: ''آپ پنجاب میں جلسہ کرنے کی ہرگز کوشش نہ کریں، جلسہ کامیاب نہ ہو سکے گا، یہاں کون آپ کی بات سنے گا؟ اور کس نے ساتھ دینا ہے''؟

احرار اور مسٹر جناح کی گفتگو:

۴۔ اس قسم کی گفتگو سن کر مسٹر جناح افسردہ خاطر ہو کر سر فضل حسین کے ہاں سے واپس آ کر رہنماؤں سے ملے۔ مسٹر جناح اور احرار رہنماؤں کی یہ ملاقات ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کے مکان پر ہوئی، اس ملاقات میں احرار رہنماؤں نے مسٹر جناح سے ہمدردی کا اظہار کیا اور انھیں پنجاب کے مسلم لیگیوں اور سر فضل حسین کی صحیح پوزیشن بتائی اور اُنھیں کہا کہ آپ جلسۂ عام میں ضرور تقریر کریں، ہم جلسے کا انتظام پوری ذمہ داری سے کریں گے، چنانچہ جلسہ ہوا، مسٹر جناح نے دل کھول کر تقریر کی اور احرار رضا کاروں نے بے وردی اس جلسے کا انتظام کیا۔ مسٹر جناح کو احرار رہنماؤں نے مشورہ دیا کہ آپ مسلم لیگ کو ٹوڈیوں اور سرکار پرست رؤسا کے پنجے سے نکالیے اور اسے عوامی جماعت بنایے۔ مسلم لیگ کا موجودہ طبقہ آپ کی بجائے برطانوی اشاروں پر چلتا ہے۔ جب اشارہ ملتا ہے مسلم لیگ زندہ باد کہنے لگتے ہیں، تب مسلم لیگ میں جان پڑ جاتی ہے، جب دوسرا اشارہ ملتا ہے خاموش ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور مسلم لیگ کی جان نکل جاتی ہے۔ یہ لوگ مسلم لیگ کے گلے میں چکی کا پاٹ ہیں، یہ آپ کو چلنے نہیں دیں گے۔ مسٹر جناح نے احرار رہنماؤں سے کہا کہ ''اگر احرار ساتھ دیں تو وہ فضل حسین سے ٹکر لینے کو تیار ہیں''۔ سر فضل حسین نے چونکہ ملاقات کے وقت دو انگریزوں کو پس پردہ بٹھایا تھا اور مسٹر جناح اس حرکت سے باخبر ہو چکے تھے، اس لیے مسٹر جناح سخت برہم تھے اور وہ واقعی سر فضل حسین کو اس حرکت کا مزہ چکھانا چاہتے تھے مگر......

احرار کو کیا تحفہ ملا؟

۵۔ سر فضل حسین سے خفا ہو کر مسٹر جناح تو لاہور سے تشریف لے گئے مگر سر فضل حسین کے دل میں احرار کے خلاف گرہ بیٹھ گئی، وہ احرار اور مسٹر جناح کے باہمی تعلقات کو برداشت نہ کر سکے اور احرار کے سخت خلاف ہو گئے، وہ حکومت کے نفسِ ناطقہ تھے۔ مسٹر جناح سے احرار رہنماؤں کی یہی ملاقات سر فضل حسین سے نزاع کا باعث ہوئی، ورنہ چودھری افضل حق مرحوم اور مولانا مظہر علی اظہر صاحب کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور دوستوں کی طرح ملنے میں فخر محسوس کرتے تھے، احرار رہنماؤں کے علاوہ مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم و مغفور کے والد بزرگوار مولانا حافظ محمد زکریا مرحوم کے بہترین دوستوں میں

تھے، بلکہ اُنھیں پیروں کی طرح مانتے تھے۔ مگر سیاست کا میدان ایسا خطرناک ہے کہ اس کی تلخی اور انتقامی جذبہ کربلا بنا دیتا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ احرار کی مقبولیت جب پورے شباب پر تھی تو سر فضل حسین ہی کی مہربانی سے احرار پر ''مسجد شہید گنج'' کا ملبہ گرا دیا گیا، غریب احرار کو ایک جلسے کی کتنی بڑی قیمت ادا کرنا پڑی، اور ؎

مرے تھے جن کے لیے وہ رہے وضو کرتے

مسٹر جناح دفتر احرار میں

دوسری ملاقات:

۶۔ مسٹر جناح اور مجلس احرار کے رہنماؤں میں سر فضل حسین کی ملاقات کے بعد تعلقات نہایت خوشگوار ہو گئے تھے، چنانچہ الیکشن قریب آ گیا تو مسٹر جناح لاہور تشریف لے آئے۔ اب احرار اور مسٹر جناح کے درمیان چونکہ کوئی پردہ حائل نہ تھا، وہ بے تکلف دفتر احرار میں چلے آئے اور الیکشن کے بارے میں صاف دلی سے مُبادلۂ خیال کیا، مگر سر فضل حسین کے چیلے چانٹے لیگ میں پہلے سے موجود تھے، وہ اس اہم ملاقات کو کیسے برداشت کرتے؟ اِس دوسری ملاقات کے موقع پر جو دلچسپ واقعہ ظہور پذیر ہوا اُس سے قارئین کرام صحیح اندازہ لگا سکیں گے کہ مسٹر جناح کو خود ان کے خود غرض حاشیہ نشینوں نے کن پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا تھا؟

نا قابلِ تردید حقیقت:

۷۔ واقعہ یہ ہے کہ مسٹر جناح کی دلی خواہش تھی کہ پنجاب کے انتخابات میں احرار ایسی فعّال جماعت اور مسلم لیگ میں باہمی تعاون ہونا چاہیے، وہ اس بارے میں احرار زعماء سے مُبادلۂ خیال بھی کرتے رہے۔ ادھر احرار زعماء بھی یہ چاہتے تھے کہ پنجاب اسمبلی میں مسلمانوں کے ایسے نمائندے آنا چاہئیں جو سرکار پرست نہ ہوں، بلکہ مخلص اور نڈر مسلمان ہو، جو مسلمان قوم کی صحیح نمائندگی کر سکیں۔ مسٹر جناح پر تو احرار کو اعتماد تھا مگر پنجاب کے اکثر مسلم لیگی رہنماؤں پر بوجوہ قطعاً اعتماد نہ تھا۔ حالانکہ میاں عبدالعزیز اور ڈاکٹر اقبال مرحوم مجلس احرار کے ہر فرد کے لیے قابلِ احترام بزرگ تھے۔ احرار نے اپنی رائے کو چھپایا نہیں، بلکہ صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مسٹر جناح سے بھی عرض کر دیا کہ آپ کے بعض ساتھی دو کشتیوں کے سوار ہیں۔ انھیں باغبان اور صیاد دونوں کو خوش رکھنے کی مستقل عادت ہے۔ انھیں ہمارے ساتھ ایمان داری سے تعاون کی تاکید فرما دیں۔ چنانچہ لاہور سے روانی سے قبل مسٹر جناح نے پنجاب کے ان مسلم لیگی رہنماؤں پر یہ بات واضح کر دی کہ ''انتخابات میں احرار اور مسلم لیگ کو مل کر کام کرنا ہوگا، اب یہ ایک طے شدہ امر ہے''۔ مسٹر جناح کی اس تاکید پر احرار مطمئن ہو گئے۔ پنجاب کے ان مسلم لیگی رہنماؤں میں یہ جرأت نہ تھی کہ وہ احرار کے متعلق اپنی دلی رائے کا واشگاف الفاظ میں اظہار کر دیتے اور مسٹر جناح سے یہ کہہ دیتے کہ احرار کے ساتھ کسی بھی صورت میں تعاون نہیں ہو سکتا اور نہ ان مسلم لیگی رہنماؤں میں یہ حوصلہ تھا کہ وہ اپنے مخلص قائد سے بغاوت کرتے۔ مسٹر جناح کے لاہور سے تشریف لے جانے کے بعد یہ حضرات پیچ و تاب کھاتے رہے اور منصوبے بناتے رہے کہ احرار سے کیونکر چھٹکارا حاصل کیا جائے تا آنکہ مشترکہ اجلاس کا وقت آ پہنچا۔ مسٹر جناح کی ہدایت کے مطابق الیکشن بورڈ کا اجلاس برکت علی ہال میں منعقد کرنے کی تاریخ کا تعیُّن ہو گیا۔ اجلاس کے انعقاد سے چند روز قبل چند لیگی رہنما رسمی گفتگو

کے لیے دفتر احرار میں تشریف لائے۔ سرسری گفتگو کے بعد یہ حضرات فرمانے لگے کہ چونکہ مسلم لیگ نے باہمی تعاون سے الیکشن لڑنا ہے، اس لیے ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت کو سمجھ لینا چاہیے، پھر فرمایا الیکشن کے اخراجات سے نپٹنے کے لیے بہتر صورت تو یہ ہے کہ مشترکہ پارلیمنٹری بور کی جانب سے مُعْتَدبِہٖ رقم ہر امیدوار کے ٹکٹ پر لگا دی جائے اور باقی اخراجات ہر امیدوار خود ادا کرے۔ چودھری افضل حقؒ نے فرمایا کہ: ''ہمارے ہاں تو الیکشن کے اخراجات برائے نام ہوتے ہیں، میرا گزشتہ انتخاب آپ حضرات کے سامنے ہوا ہے، اخراجات کی تفصیل بھی سن لیجیے۔ میرے پاس کل رقم دوصد روپیہ تھی، جو میں نے اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دی۔ انتخاب ہو چکا تو کارکنوں نے واپسی پر مجھے بہتر روپے دیتے ہوئے کہا کہ یہ ان دوسو روپوں میں سے باقی بچے ہیں۔ اس لیے حضرات کرام ہمیں تو الیکشن کے اخراجات کی قطعاً فکر نہیں ہے۔ آپ کی امداد بہرحال ہمیں کرنا ہے۔ ہمارے کارکن اور معزز رفقاء حلقہ انتخاب میں وقتِ ضرورت پیدل بھی سفر کر لیتے ہیں، فاقے بھی کاٹ لیتے ہیں، تھرڈ کلاس میں سفر کرتے ہیں اور اسی قلندرانہ ٹھاٹھ سے شہنشاہوں کے گریبانوں میں ہاتھ ڈال دیا کرتے ہیں''۔

اس گفتگو کے بعد فریقین مطمئن ہو گئے۔ احرار اس لیے مطمئن تھے کہ ہم نے اپنی اصل حقیقت اور حیثیت نئے دوستوں پر بغیر کسی ایچ پیچ کے واضح کر دی ہے اور یہ مسلم لیگی زعماء اس لیے مطمئن ہو گئے کہ مدِ مقابل کا پینترا معلوم ہو گیا ہے۔ اب پٹخنی دینے کے لیے آسانی سے داؤ مارا جا سکتا ہے۔

برکت علی ہال کا تاریخی اجلاس:

۸۔ مشترکہ پارلیمنٹری بورڈ کی جانب سے اجلاس کے انعقاد کا اعلان ہوا کہ ''جلسہ کی کارروائی برکت علی ہال میں ٹھیک چار بجے شام شروع ہوگی۔ (مدعوئین کو وقت کا خاص طور پر خیال رہے)۔ ایجنڈا حسبِ ذیل ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ دیگر امور بہ اجازت صدر''۔

اس اعلان کے مطابق احرار زعماء مشترکہ پارلیمنٹری بور کے اجلاس میں شمولیت کے لیے اپنے دفتر دہلی دروازہ سے جو برکت علی ہال سے تھوڑے ہی فاصلے پر واقع ہے، پیدل چل کر ٹھیک چار بجے ہال میں داخل ہوئے۔ خلافِ توقع مسلم لیگی زعماء ہال میں پہلے سے موجود تھے۔ احرار جا کر بیٹھے ہی تھے کہ اسٹیج سے اعلان ہوا: ''ضروری کارروائی ایجنڈے کے مطابق ختم ہو چکی ہے۔ کوئی اور بات ہو تو فرمائیے''۔ احرار زعماء حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اپنی گھڑیاں دیکھیں تو چار بج کر چار یا پانچ منٹ ہوئے تھے، خدایا تلاوت کس وقت ہوئی۔ جلسے کا افتتاح کس نے کیا۔ تجاویز کب پیش ہوئی، یہ ماجرا کیا ہے؟ صدرِ جلسہ سے احرار زعماء نے دریافت کیا کہ ابھی تو چار بج کر چار یا پانچ منٹ ہی ہوئے ہیں، ہم ٹھیک وقت پر حاضر ہو گئے ہیں۔ اب کارروائی شروع ہونا چاہیے۔ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ لیگی زعماء یہ باتیں سن کر مسکرا رہے تھے۔ احرار زعماء کو مخاطب کرتے ہوئے صدر جلسہ نے فرمایا: ''ادھر ہال کلاک کی طرف دیکھیے، ساڑھے چار بج چکے ہیں۔ معمولی کارروائی تھی جو ختم ہو چکی ہے''۔

ہوا کیا؟:

۹۔ ہوا یہ کہ بعض لیگی حضرات نے معین وقت سے قبل ہال میں داخل ہو کر نہایت آسانی سے ہال کے کلاک کی سوئی کو گھمایا اور آدھ گھنٹا آگے بڑھا دیا۔ یعنی چار کی بجائے ساڑھے چار بجا دیے۔ احرار زعماء حیران تھے کہ یہ کیا تماشا ہوا ہے؟

بہر حال احرار زعماء نے صدرِ جلسہ سے عرض کیا کہ بندہ پرور، بات تو ہم نے سمجھ لی ہے، اتنا تو بتا دیجیے کہ کون کون سی تجاویز منظور ہوئی ہیں؟ ارشاد ہوا ہم نے چند کمیٹیاں بنائی ہیں اور امیدواروں کے لیے ٹکٹ کی فیس کا تعین کیا ہے۔ دریافت کیا کتنی فیس رکھی ہے؟ فرمایا ساڑھے سات سو روپیہ فی کس، وہ بھی مشروط (اس واقعہ کا ذکر تاریخِ احرار، طبع ثانی بابت مارچ ۱۹۶۸ء کے صفحہ ۲۱۱ پر ملاحظہ فرمائیں)۔ اس مرحلے پر احرار زعماء نے لیگی رہنماؤں کی عیاری اور چالاکی کو بخوبی سمجھ لیا تھا۔ احرار غریب کیا کرتے، دل برداشتہ ہو کر جلسے سے اٹھ آئے۔ آتے ہی مسٹر جناح کی خدمت میں اس صورتِ حال کی تفصیل لکھ بھیجی۔ مسٹر جناح اس خط کے ملتے ہی لاہور تشریف لے آئے، احرار زعماء سے دفتر احرار میں آکر ملے۔ انھیں اپنے ساتھیوں کی اس طفلانہ حرکت اور نامناسب کارگزاری پر بڑا دکھ ہوا۔ وہ احرار کے دفتر سے یہ فرماتے ہوئے اُٹھے کہ ''میں اُن لوگوں سے ابھی دریافت کرتا ہوں کہ انھوں نے ابتداء ہی میں ایسی بدمزگی کیوں پیدا کی''؟

دوسرے دن مسٹر جناح پھر تشریف لائے۔ ملاقات ہوئی تو وہ فرمانے لگے کہ: ''میں چاہتا تھا کہ آپ بھی میرے ساتھی بنیں، مگر جب میرے اپنے بعض ساتھی آپ کے ساتھ نہ چل سکیں تو کیا کِیا جائے؟ مجھے بہر حال یہ لوگ جیسے بھی ہیں، اِنھی کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا''۔

آخری ملاقات:

۱۰۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک روز مسٹر جناح نے دہلی میں اپنی کوٹھی پر چائے کی دعوت دی۔ اُن دنوں جماعتی تنظیم کے سلسلہ میں، دہلی میرا ہیڈ کوارٹر تھا۔ دعوت چونکہ صرف مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو دی گئی تھی، اس لیے میں اُن کے ہمراہ نہ جا سکا، مولانا تنہا تشریف لے گئے۔ میں مولانا کی واپسی کا بے تابی سے انتظار کرتا رہا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ دو ذمہ دار لیڈروں نے قوم اور ملک کی بہتری کے لیے کن لائنوں پر مُبادلۂ خیال کیا ہے۔ موصوف کی کوٹھی سے مولانا نے واپس آکر بتایا کہ مسٹر جناح نے نہایت بے تکلفی اور خلوص سے باتیں کیں۔ مقصد ایک تھا، مگر طریقِ کار میں اختلاف تھا۔ کافی بحث مُباحثہ کے بعد مسٹر جناح نے مولانا کو بازو سے پکڑ کر فرمایا کہ: ''مولانا میرا ساتھ دیجیے، پھر دیکھیے میں کیا کرتا ہوں''؟ مولانا نے برجستہ جواب دیا کہ: ''آپ نے مجھے بازو سے پکڑا ہے، آپ چھوڑ تو نہیں دیں گے؟ آپ کے موجودہ ساتھی ہمیں برداشت کر لیں گے؟ کہیں پھر شفیع لیگ کا مردہ زندہ نہ ہو جائے اور آپ اپنے ساتھیوں ہی کی وجہ سے دوسری الجھن میں پھنس جائیں، آپ اچھی طرح سوچ لیں''؟

مولانا نے بتایا کہ یہ ساری گفتگو دوستانہ ماحول میں ہوئی۔ مولانا واپس آنے لگے تو قائد پاکستان نے دوبارہ ملاقات کی خواہش کی مگر اُس کے بعد حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ دوبارہ ملاقات کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ مسلم لیگ پر مسلط ٹوڈیوں اور سرمایہ داروں، لیگ کے دوسرے درجہ کے لیڈروں اور نچلی سطح کے کارکنوں نے ایسا معاندانہ رویہ اختیار کیا اور اختلافات کی ایسی آندھیاں اٹھائیں کہ پناہ بخدا! مجلس احرارِ اسلام اور مسلم لیگ میں تلخی بڑھ گئی۔ اختلافِ رائے نے مخالفت کی صورت اختیار کر لی اور مُنافرت کی خلیج ناقابلِ عبور ہو گئی تا آنکہ ؎

اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا!

میرا افسانہ

قسط:۳

مفکر احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

مجھ سے بڑا بھائی تپ دق میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا تھا، مجھے خود کھانسی کی شدت ہوگئی، اس لیے ۱۹۱۳ء میں خرابی صحت کی بنا پر کالج کی تعلیم کو ترک کرنا پڑا۔ ان ہی دنوں میں ایک عزیز وہم کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ ڈاکٹری اور یونانی علاج سے افاقہ نہ ہوا، ان دنوں میں ہومیو پیتھک طریقۂ علاج ایک اچنبھا بات تھی۔ اسے بھی آزمایا گیا۔ وہ عزیز ڈاکٹر کے پاس بیٹھا تھا کہ اس بیماری کا ایک اور مریض دور سے دُہائی دیتا ہوا آیا اور آتے ہی کئی تکلیفیں بیان کیں، میرے اس عزیز نے کہا یہ تمام بیماریاں تو مجھے ہیں۔ ڈاکٹر بے ساختہ پکار اٹھا:

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

دونوں مریضوں کا مکالمہ شروع ہو گیا، ایک کو دوسرا تندرست نظر آتا تھا، اس لیے ایک دوسرے کو جھٹلاتا تھا۔ اب اور مریض آ گئے، کوئی مریض کسی بیماری کا ان کے سامنے ذکر کرتا، یہ دونوں صاحب پکار اٹھتے کہ یہ بیماری تو ہمیں بھی ہے، سامعین کی ہنسی ضبط نہ ہو سکتی تھی۔

کچھ مدت ہومیو پیتھک علاج کیا گیا، افاقہ نہ ہوا تو مسمریزم کے ایک ماہر کی طرف رجوع کیا، وہ تنہائی پسند جالندھر چھاؤنی کے ایک گاؤں میں رہتا تھا، اس کی توجہ سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ وہاں سے رخصت ہوتے وقت اس نے مجھ سے کہا کہ: ''اگر تم اس علم کو خود حاصل کرو، تمھارے اندر اس علم کے حصول کی استعداد زیادہ ہے''۔ میں اس کی حوصلہ افزائی سے متاثر ہو کر سواد سیاہ پر نظر جما کر بیٹھ گیا، یہ چند روز کی پریکٹس مجھے برسوں کے ذکر شغل سے بہتر ثابت ہوئی۔ سواد سیاہ رواں دواں نور میں تبدیل ہو گیا اور نظر میں اثر پیدا ہوا، اس اثر کو اخلاق کا پابند رکھنے میں مشکلات نظر آئیں تو دل برداشتہ ہو کر اسے چھوڑ دیا۔ مجھے تعجب سے یہ تجربہ ہوا کہ اہل نظر کا اثر کمزور طبیعت اور متشکک پر ہوتا ہے، ضدی اور قوی مزاج لوگوں پر نہیں ہوتا۔

جنگ عظیم:

انگلستان اس وقت کوس لمن الملک بجا رہا تھا۔ دنیا میں اس کا کوئی سیاسی حریف نہ رہا تھا، جنگجو جرمنی چند سال سے سر اٹھاتا تھا۔ مدبرین انگلستان کی دور بین نگاہوں نے جرمنی کے خطرے کو قیامت بنتے دیکھا، جرمنی عقاب کی طرح پر تول رہا تھا کہ ایک ہی اڑان میں سب سے بڑی بلندی پر جا پہنچے۔ انگریزی سیاست غیر مرئی طور پر اس کی گردن میں روس اور فرانس کا حلقہ باندھ چکی تھی۔ یکا یک آسٹریا کے شہزادہ کے دن دہاڑے قتل نے یورپ کے خرمنِ امن میں چنگاری کا کام دیا، یوں معلوم ہوا کہ چاروں طرف خشک بارود کو آگ لگ گئی ہے۔ اعلان جنگ سے پہلے فوجیں سرحدات پر

لڑنے لگیں، اٹلی، روس، فرانس اور انگلستان ایک طرف، جرمنی، آسٹریا اور ترکی دوسری طرف برسرِ پیکار نظر آئے۔ ابتدا میں کسی کو وہم وگمان بھی نہ تھا کہ جرمن حیرت انگیز طاقت کا مالک ہے، اسبابِ جنگ اور جنگی تدبیر کے لحاظ سے دنیا کے کوئی اور ملک جرمنی کی ٹکر نہ تھے۔ ہندوستان کے وسیع ذرائع اگر انگلستان کے قدموں پر نچھاور کرنے کو نہ ہوتے تو ایک سال میں لڑائی ختم ہو جاتی، ہندوستانی آبادی انگلستان کے لیے ارزاں ترین سپاہی مہیا کر رہی تھی، امراء روپیہ مہیا کر رہے تھے۔ اہلِ مذہب مندر اور مسجد میں فتح کی دعائیں کر کے عوام الناس کو قابو میں رکھتے تھے، ملک کے سامنے کوئی سیاسی مطمحِ نظر نہ تھا، اس لیے انگلستان، ہندوستان سے پورے طور پر بےفکر تھا۔ ہندوستان کی دس لاکھ فوج یورپ کے غربی محاذ پر غلامانہ قربانی کی داد وصول کر رہی تھی۔ انگریزی فوج کے مسلمان سپاہی ترکی افواج کے سینوں کو چھلنی کر کے اماکن مقدسہ کو انگریز کے لیے فتح کر رہے تھے۔ گیارھویں کے ختم پر آمادہ قتال ہونے والے پیر اور مولوی ہندوستانی سپاہیوں کو برکت کے لیے تعویذ دیتے تھے اور ترکوں کی گولیوں سے محفوظ رہنے کے لیے دم کرتے تھے۔

اِدھر یہ کیفیت تھی، اُدھر کرنل لارنس نے عرب اور عراق کے شیوخ کو طلائی طلسم میں گرفتار کر کے انھیں ترکوں کے لیے خنجر زیرِ آستیں بنا دیا۔ ایشیا میں سطوتِ اسلامی خود مسلمان اجیروں کے ہاتھ سے برباد ہو گئی، تمام ایشیا اتحادیوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ ہندوستانی سپاہیوں اور عربی شیوخ کے پاس تنخواہ کے چند سکے رہ گئے۔ اسلام کا مردہ وسط ایشیا میں بےگور و کفن پڑا دیکھ کر ہندوستان اور عرب کو ندامت تو ہوئی، مگر قتلِ حسینؓ کے بعد کوفیوں کی گریہ زاری ہرگز معتبر نہیں۔ عرب، عراق اور ہندوستان کے مسلمان کا معاملہ اب خدا کے ساتھ ہے، خدا اس وقت کے مُلّا اور پیر کی حالت پر رحم فرمائے۔

مذہب کے ظاہری مدعی مگر روحِ اسلام سے بیگانہ مسلمان کی عقیدت کی یہ کیفیت تھی کہ انگریزی فوج کا ایک مسلمان سپاہی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے روضہ کی طرف گولیاں بھی چلاتا تھا اور ساتھ ہی حسنِ عقیدت کا یہ کہہ کر مظاہرہ بھی کرنا چاہتا تھا کہ دیکھیے پیرانِ پیر کی کرامات کہ ہر بار گولی کا نشانہ خطا جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمان کی غلط عقیدت کے اور افسانے بھی مشہور ہیں۔ باوجود اس کے کہ انگریزی سیاست اسلامی سلطنتوں کا خاتمہ کر چکی تھی، جرمنی کے دم خم وہی تھے، روس کا کچومر نکل چکا تھا۔ افواجِ جرمن کیمل کی پہاڑوں پر قابض ہوا چاہتی تھی کہ امریکہ اتحادیوں کے دامِ تزویر میں پھنس کر جرمن پر تازہ دم فوجیں چڑھا لایا۔ جرمن کے یہودیوں نے انگلستان کی شہ پر بایں ایما غداری کی تاکہ فلسطین ان کے حوالہ کر دیا جائے۔ ان وجوہات کی بنا پر فاتح جرمنی مفتوح ہو گیا۔

انگلستان نے جنگ میں اسلامی دنیا کو مطمئن کرنے کے لیے بڑے سبز باغ دکھائے تھے، اب وہ وعدے سراب دکھائی دینے لگے۔ اتحادیوں نے جب اسلامی سلطنت کے ٹکڑے کر کے سب ملک ہتھیا لیے تو ہندوستان کے مسلمانوں میں ماتم بپا ہو گیا۔

میری طبیعت کے رجحانات انگریز کی طرف مائل نہ تھے، تاہم وقت کے رواج کے مطابق سلسلہ ملازمت میں منسلک ہو کر حلقہ بگوش انگریز ہو گیا۔ ۱۹۱۷ء میں بطور انسپکٹر پولیس بھرتی ہو گیا۔ انگریز پرستی نے مسلمانوں کی لٹیا ڈبو دی تو

سب مسلمانوں کے ساتھ میری بھی آنکھوں سے غفلت کی پٹی کھلنا شروع ہوئی۔

جفا کار جنرل ڈائر کے ہاتھوں ۱۳/اپریل ۱۹۱۸ء کو جلیانوالہ باغ کا خونچکاں واقعہ پیش آیا، گاندھی، موتی لعل نے پنجاب میں ڈیرے ڈال دیے۔ مردہ ہندوستان میں جان آ گئی، یہ پہلا موقعہ تھا جب ہندوستانیوں نے مظالم کے خلاف آواز بلند کرنا سیکھا۔ ہندوؤں کے لیڈروں کے اس اقدام سے مسلمان نے بھی کروٹ لی اور انھیں بھی خلافت کے مٹنے پر خلیفہ یاد آیا اور اسلامی سلطنتوں کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لیے ہندوستان میں خلافت کمیٹیوں کا نظام استوار کرنے کی سوجھی۔ ۱۳سو سال میں شاید ہی ایسا گہرا زخم لگا ہو، بنابریں ہندوستانی مسلمان نے حرارت قلب کا بہترین ثبوت دیا۔ مہاتما گاندھی کی راہنمائی میں ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کے احساسات کے ساتھ پوری ہمدردی کا اظہار کیا، میں مہاتما گاندھی اور دوسرے لیڈروں کے اخلاص کا قائل ہوں کہ انھوں نے خالص اسلامی مسئلہ کو اپنا بنالیا۔

مسلمان سیاسی شعور سے عاری تھا وہ محسن کو بھی مردہ سمجھتا ہے۔ عوام کا دماغ سیاسی توازن کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے رہنما عوام سے کچھ مختلف نہیں، وہ کبھی اسلامی ممالک پر انگریز کے زور کو کم کریں، کبھی ہندو کے سلوک سے تنگ ہو کر کہتے ہیں کہ جائیں اسلامی ممالک بھاڑ میں، پہلے ہند سے نپٹ لینا چاہیے۔ نتیجہ یہ ہے کہ نہ ہند کے متعلق ہماری پالیسی واضح ہے نہ انگریز کے متعلق رائے صاف ہے۔

پنجاب کے مشہور لیڈر لالہ دنی چند بیرسٹر سے گاندھی جی نے کہا کہ لالہ جی فلاں معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے۔ انھوں نے برجستہ فرمایا کہ مہاراج میری رائے پچاس فیصدی اس طرف ہے اور پچاس فیصدی دوسری طرف ہے۔

بالکل یہی حال ہندوستان کے مسلمان کا ہے، جو معاملہ بھی زیرِ غور ہو، اس کے متعلق ان کی رائے پچاس فیصد ادھر اور پچاس فیصد اُدھر ہو جاتی ہے۔ مسلمان کسی فیصلہ پر پہنچنے ہی نہیں پاتے، ایثار پیشہ لوگوں کی نسبتاً کمی نہ سہی واضح پالیسی کی ضرور کمی ہے، انگریز اس سے پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ ماورائے سرحد پر بڑھنا ہو تو کچھ عرصہ ملازمتوں کے لالچ میں بڑے سے بڑا اسلامی سانحہ بھی برداشت کرلیا جاتا ہے۔

مسلمان کے لیے صاف طور سے تین راستے ہیں، غلامی پر قناعت، اہلِ وطن سے مل کر ملک کی آزادی، ہندو انگریز دونوں سے بے نیاز ہو کر مذہبی تنظیم اور ہندوستان پر حکومت۔

اگرچہ اکثر مسلمان کے طور طریقے صاف طور پر غلامی پر قناعت کے ہیں، لیکن زبان سے اقرار میں سخت ندامت ہوتی ہے۔ اس لیے غلامی پر قانع لوگ عزم کی انتہائی بلندی کا اظہار کر کے کہتے ہیں، نہ انگریز سے موالات ممکن ہے، نہ ہندو سے تعاون ہوسکتا ہے، چنانچہ فرزندانِ توحید کی تیرہ سو سال کی روشن تاریخ کا حوالہ دے کر ان میں محمد بن قاسم کی حجازی سپرٹ پیدا کرنے کے متمنی ہیں۔ ان کا خود حال یہ ہے کہ انگریز کی دہلیز پر نت نئے روز سر کو خم کرنے جاتے ہیں اور ساتھ ہی مسلمانوں کو ہندوؤں کی اکثریت کا بھی خوف دلاتے، پھر اس خائف قوم سے ہندوستان پر حکومت کرنے کی امید کرتے ہیں، نہ اس کی تیاری، نہ عزم اور نہ بظاہر امکان۔ میرے نزدیک مسلمان کے لیے بہترین تجویز یہی ہے کہ اہلِ

وطن سے مل کر وطن عزیز کو آزاد کرائے اور اپنے ایثار اور قربانی سے اہل ہند پر اپنی فوقیت کا سکہ جمائے۔ وطن کی وہ خدمت کرے کہ کسی دوسرے ہمسایہ کو بجز تعریف کے چارہ کار نہ رہے، خدا نے انھیں خیرالامت کا خطاب دیا ہے، پس مسلمان کی پالیسی یہی ہونی چاہیے کہ دنیا ہمارے عمل کو دیکھ کر پکار اٹھے کہ قوموں میں مسلمان بہترین قوم ہے، یہ بندگان خدا کے لیے خیر و برکت کا باعث ہیں۔ غضب اور ظلم کے دشمن ہیں لیکن افسوس مسلمان اپنے لیے خدا کے مقررہ کردہ مشن کو بھول گئے۔ ہمسایہ قوموں کو ان پر شبہ ہے، ان کو ہمسایہ کے متعلق شکوک ہیں، حالانکہ بے لوث خدمت سے ہمیں ہر اہلِ وطن کے دل میں اپنی جگہ بنا لینی چاہیے تھی۔

میں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اسی اصول کو کتنی بار الٹ پلٹ کر کہا ہے کہ مسلمان قوم کو خیرالامت خدا کا دیا ہوا خطاب ہے۔ ہمارے عمل سے کثرت کے ساتھ مخلوقِ خدا کی بھلائی ظاہر ہونی چاہیے، ہم دنیا میں کچھ لینے کی نیت سے نہیں بلکہ خلق اللہ کے لیے سب کچھ لٹا دینے کے لیے حکم دیے گئے ہیں۔ اس حکم کی تعمیل کے لیے اٹھو اور آخرت میں پروردگار خود ہی انعام دے گا، دنیا کی حکومت بھی تمھاری لونڈی غلام ہوگی، شرط یہ ہے کہ خدمتِ خلق کے عزم سے اٹھو اور بنی نوع انسان کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے بڑھو۔ خدمت میں تنگ دلی نہ دکھاؤ۔ یاد رکھو! خدا کی خوشنودی اور کشادہ جنت، تنگ دل انسانوں کے لیے نہیں ہے۔

تحریک خلافت میں گاندھی کی رہنمائی اور ہندوؤں کی شمولیت نے ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔ کانگریس کے مردہ جسم میں جان آ گئی، ہندو اور مسلمان کارکنوں نے جلدی ہی دیکھ لیا کہ خلافت ایجی ٹیشن میں کامیابی اور جلیانوالہ باغ کے حادثہ کے تکرار کو روکنے کی صرف یہی صورت ہے کہ ملک آزاد ہو۔ جب تک ہندو، مسلمان غلامی پر قانع ہے، تب تک ایسی ذلتیں ہوتی رہیں گی، اس لیے حادثہ جلیانوالہ باغ اور ترکوں کے لیے انصاف حاصل کرنے کے لیے آزادئ وطن کا پراپیگنڈا بھی شروع کیا گیا۔

ہندوستان کی آزادی ایسی صحت بخش چیز ہے جس کے بغیر غلام قوم کے دکھوں کا کوئی علاج نہیں ہوسکتا، چھوٹے چھوٹے مطالبات پر لڑنا تضیع اوقات ہے، حکومت سے ایسی ٹکر جو بالآخر آزادی میں مدومعاون ثابت ہو ضروری ہے۔

ملازمت:

باوجود باغیانہ رجحانات کے، حالات نے مجھے ملازمت پر مجبور کر دیا۔ میں پولیس میں سب انسپکٹر بھرتی ہو کر قلعہ پھلور میں ٹریننگ کے لیے چلا گیا۔ سب انسپکٹر جب تک قلعہ پھلور میں زیرِ تعلیم رہتا ہے، فرعون مزاج ڈرل انسٹرکٹروں کے ہاتھوں، ہر قسم کی ذلت اٹھاتا ہے، جب پولیس ٹریننگ سکول کا کورس ختم کر کے ضلع میں آتا ہے تو قلعہ کو بھول کر خود فرعون ہو جاتا ہے۔ غلام ہندوستان میں سب انسپکٹر پولیس بھوکا بھیڑیا ہے، جدھر منہ اٹھاتا ہے، لوگوں کو چیرتا پھاڑتا چلا جاتا ہے۔ سرکار کے ملازمین کے ہاتھوں انسانیت کی ایسی تذلیل شاید ہی کہیں ہوتی ہو۔ جب میں قلعہ سے ضلع میں آیا تو تھانہ صدر لودھیانہ کے حوالدار تفتیش نے سمجھایا کہ یہاں سیدھی انگلی گھی نہیں نکلتا، یہاں کے لوگ جوتے کے یار ہیں۔ جوتا ہاتھ میں

ہے تو سب سلام کرتے ہیں، محبت سے پیش آؤ تو پگڑی اتارتے ہیں۔ اس نے مزید سمجھایا کہ تفتیش کے لیے عقل کی ضرورت نہیں، جس گاؤں میں تفتیش کے لیے جاؤ، پہلے چماروں کے گھروں کی طرف سیدھے ہو لو۔ ان پر بلا تکلف ڈنڈے برساؤ، پھر چوکیدار کو بلا کر اس کے منہ پر بے شک بلا وجہ چپت لگاؤ، چمار اور چوکیدار کبھی ظلم کی دادرسی نہیں چاہتے، بلکہ مظالم پر صبر کرتے ہیں اور عاجزی سے ہاتھ جوڑ دیتے ہیں۔ نمبردار کا سوال البتہ ٹیڑھی کھیر ہے۔ پہلے اس کو معمولی سی گالی دے کر اس کے صبر کا امتحان کرنا چاہیے، اگر سور کتے کی گالی برداشت کر جائے تو فحش گالیاں دے، یہ گالیاں بھی برداشت کر لے تو بے شک داڑھی پکڑ کر ہلاؤ۔ ان ان تین مدارج میں سے کسی مرحلے پر نمبردار ناک بھوں چڑھائے یا تیوری ڈالے تو وہیں بس کر کے بات ٹال دے، کیونکہ نمبردار اپنے آپ کو ذی عزت سمجھ کر بعض دفعہ شکوے شکایت تک نوبت پہنچا دیتے ہیں۔ جس گاؤں کا نمبردار گالی برداشت کر لے، سمجھو کہ وہاں کوئی شخص نہیں جو تمھاری من مانی کارروائی میں مزاحم ہو۔

ایسے گاؤں میں جا کر جس پر شبہ بھی نہ، بلا کر بغیر کچھ پوچھے سنے کان پکڑوا دو اور چوتڑوں پر خوب جوتے برساؤ، بہتر ہے کہ جوتے پٹوانے کا عمل رات کے وقت شروع کیا جائے تا کہ اس کی آواز سنی جائے اور عورتیں پکار اٹھیں کہ حاکم بڑا سخت مزاج ہے۔ تمھاری ہیبت سے ہی ملزم اقرارِ جرم کر لے گا، ورنہ تھوڑے بہت تشدد سے اصل حال معلوم ہو جائے گا، اس طرح جرائم کا انسداد بھی ہو جائے اور جھولیاں بھی بھر لو گے۔ اگر خدانخواستہ کوئی مقابلہ پر اتر آئے تو خان صاحب کی طرح مقابلہ نہ کرو، بلکہ شیخ صاحب کی طرح فوراً مونچھیں نیچی کر لو اور بھیگی بلی بن جاؤ اور مناسب موقعہ کی تلاش کرو۔ اگر تمھارے سامنے بلوہ ہوتا ہو تو بلوائیوں میں کود پڑنا دانائی نہیں بلکہ وہاں سے کھسک جانا عقل مندی ہے، جب بلوائی گھروں کو منتشر ہو جائیں تو بے شک ایک ایک کو باندھ کر سزا دو، جو افسر فرض کی بجا آوری کے زعم میں بلوے کی گرما گرمی میں گرفتاری کرنا چاہتے ہیں، وہ اکثر خود زخمی ہو جاتے ہیں اور ذلت اٹھاتے ہیں۔ ہوشیار آفیسر وہی ہے جو گرم سرد دیکھے۔

میں نے اس کے ارشادات کو مقدس احکامات کی طرح سنا، لیکن مخلوقِ خدا پر بلا وجہ ظلم کا جواز سمجھ میں نہ آیا، تاہم بوقت ضرورت کام آنے کے لیے ان نصائح کو آویزۂ گوش بنا رکھا اور تفتیش جرائم کے کام کو شروع کر دیا۔

تفتیش جرائم:

دیوتائے عشق کی کارفرمائی کے باعث میرے پڑوس میں زہرخوانی کا ایک کیس ہو گیا۔ ایک عاشق قلاش، محبوب کی فرمائش کو پورا کرنے کے لیے دردر مارا پھرا کہ کہیں کچھ قرض مل جائے، کسی نے عشق کا راستہ آسان کرنے میں اس کی مدد نہ کی۔ لاچار نوجوان نے اپنی بوڑھی پھوپھی کو دھتورہ سے بے ہوش کیا، نقدی اور زیورات اڑا کر دیوی کے بھینٹ کیے۔ معاملہ بہت صاف تھا۔ عاشق حزیں کو جلد ہی محبت کا روایتی زیور یعنی زنجیر پہنا کر منزل محبوب یعنی جیل میں پہنچا دیا گیا۔

اس مقدمہ سے فارغ ہوا ہی تھا، آدھی رات کو مخبری ہوئی کہ بردہ فروشوں کا ایک گروہ، ایک خالی بنگلہ میں شب باش ہے۔ ان کے ہمراہ اغوا شدہ عورتیں ہیں، اسی وقت پولیس کی جمعیت کو ساتھ لیا اور بندوق سنبھال کر چل دیا۔ تلاش

کرنے پر دیکھا کہ ایک حسینہ، جس کا جسم چاندنی سے میلا ہوتا تھا، فرش خاک پر سو رہی ہے اور دو مشٹنڈے پہلو میں پڑے ہیں۔ تحکمانہ لہجہ میں انھیں جگایا، وہ ڈراؤنے خواب کی طرح چونک اٹھے۔ نکیرین کو سامنے دیکھ کر گھبرائے، میں نے کہا چلو یومِ حساب آ گیا۔ وہ اٹھے، ہم انھیں ہمراہ لے کر تھانہ میں آ گئے، تینوں بھائی بہن کا رشتہ بتاتے تھے۔ میں نے کہا عورت کو ان سے الگ کر کے بٹھاؤ، تاکہ ان کا جادو اترے تو میں اپنا سحر پھونکوں۔ مردوں کو حوالات میں بند کر دیا گیا، عورت کو پہرہ دار کی نگرانی میں بٹھا کر میں سو گیا۔ صبح اٹھا تو معلوم ہوا کہ عورت پر پہرہ دار سپاہی نے ڈورے ڈالنے شروع کر دیے تھے، وہ تو خیر ہوئی کہ عصمت دری تک نوبت نہ پہنچی، ورنہ سپاہی کے گناہ پر افسر بھی غفلت کے الزام میں دھر لیا جاتا۔ ہیڈ کانسٹیبل تفتیش نے کہا کہ عورت کو کبھی ایک کانسٹیبل کی نگرانی میں نہ چھوڑنا چاہیے۔ مرد اور عورت کی تنہائی یوں بھی فتنہ خیز ہوتی ہے، پھر آوارہ عورتوں کو ادنیٰ ملازمین کے سپرد کر کے ان کی سلامتی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

ہیڈ کانسٹیبل اور سپاہی صبح سے لے کر شام تک عورت سے سر کھپاتے رہے، مگر اس نے کوئی بات مان کر نہ دی۔ مردوں کو بھائی بتاتی رہی، اگرچہ میں تفتیش جرائم میں نوآموز تھا، لیکن مجھے واقعات شاہد عادل تھے کہ عورت مغویہ ہے، ورنہ اجڑی کوٹھی میں شب باشی کے کوئی معنی نہ تھے۔ تھانہ کا عملہ تجربہ کار ضرور تھا، لیکن وہ اپنے تجربے کے باہر نہ جا سکتا تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل اور کانسٹیبل اس بات کے قائل ہو چکے تھے کہ اغوا کا معاملہ نہیں، غریب راہ گیروں نے کہیں ٹھکانہ نہ پا کر خالی کوٹھی کو رین بسیرا بنا لیا ہوگا۔

میں نے بڑے یقین سے سارجنٹ کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ کی ابتدائی نصیحتوں کو میں نے دل میں جگہ دی ہے، لیکن میں کچھ کالا علم جانتا ہوں، کان میں وہ افسوں پھونکوں گا کہ عورت مینا کی طرح بولے گی۔ اس نے کہا: ''حضور اگر کام منتر جنتر سے چل جائے تو دردسری کیوں کی جائے''۔

میں اٹھا، عورت کے کان میں اتنی بات کہی کہ کنوارا ہوں۔ تمھارا ان سے پیچھا چھوٹ جائے تو میرے گھر کی رانی بن کر رہو۔ سب نے دیکھا کہ جادو چل گیا۔ عورت کے چہرے پر رونق اور آنکھوں میں چمک آ گئی، اس نے ذرا اونچی آواز سے کہا کہ یہ تو مجھے بھگا کر لائے ہیں، اب معاملہ صاف ہو گیا۔ سب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے عورت سے کیا کہا؟ میں نے کہا: ''اصل کہانی یوں معلوم ہوتی ہے کہ حسین عورت غریب کی جورو بن گئی ہے، محلات کا خواب دیکھنے والی عورت جب جھونپڑی میں رہنے پر مجبور ہو جائے تو وہ اسے قید بلا سمجھ کر آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اغوا کرنے والے، ان ہی موقعوں اور گھرانوں کے متلاشی رہتے ہیں، وہ موقع مناسب دیکھ کر اس کے حسن کی تعریف کرتے ہیں اور گھر کی غربت پر آنسو بہاتے ہیں اور باتوں باتوں میں کہہ دیتے ہیں کہ اگر حسن کوئی جوہری دیکھ پائے تو تمھیں نور محل بنائے۔ چنانچہ وہ جھونپڑی میں رہ کر محلات کے خواب دیکھنا شروع کر دیتی ہے اور ان خوشگوار خوابوں کی حسین تعبیر کے لیے گھر سے نکل کھڑی ہوتی ہے، میں نے شادی کا چکمہ دے کر دیرینہ آرزوؤں کی تکمیل کر دی''۔

اب وہ چھم چھم کرتی تھانے میں اِدھر اُدھر آزادی سے پھرنے لگی، حسن کے ساتھ تمکنت آ گئی۔ وہ چھوٹے درجہ

کے آدمیوں سے بڑے درجہ کی عورتوں کی طرح متانت سے گفتگو کرنے لگی تھی۔

اگلے روز عدالت میں چالان پیش کرنا تھا، اس نے کپڑے بدلے، کاجل آنکھوں میں ڈالا، بازار میں نور برساتی چلی اور اس شان سے کمرہ عدالت میں پہنچی کہ مجسٹریٹ نے قلم ہاتھ سے رکھ کر اور عینک کو آنکھوں سے ہٹا کر بے ساختہ منہ سے کہا ارے!

وہ چراغ رخِ زیبا لے کر دنیا کی بے انصافیوں سے پناہ نہ پا کر عدالت کے اندھیرے میں انصاف ڈھونڈنے آئی تھی۔ حسن کی خاموش تصویر کی طرح زبانی بے زبانی سے داستانِ درد بیان کر رہی تھی کہ میں گوہرِ شب چراغ تھی، مزدور کے گھر میں رہ کر خاک میں مل گئی۔ غربت نے خاوند کے لیے دنیا اندھیر کر رکھی تھی، اسے میری روزمرہ کی بدحالی کے باعث نظر اٹھا کر دیکھنے کی فرصت ہی نہ تھی، میں نظرِ التفات سے محروم گھر سے نکل آئی۔ اب بازار کی جنس ہوں اور سرمایہ کے ہاتھ کی میل پر بک سکتی ہوں۔

ہر شہر کے بازارِ حسن میں بیوائیں یہی دردناک داستان بیان کر رہی ہیں کہ کس طرح سونے چاندی کی جھلک پر مزدوروں کے گھروں سے حسن سرمست ہو کر نکلتا ہے، پھر عمر بھر رسوائے بازار رہتا ہے۔

اس روز عدالت نے تاریخ دے دی، تاکہ معلوم ہو سکے کہ ملزمہ سابقہ سزا یافتہ ہیں یا نہیں۔ مجھے ایک اور سرکاری کام کے لیے باہر جانا پڑا۔ میری غیر حاضری میں ملزم سزا پا گئے۔ مجھے امید تھی کہ عورت وارثوں کو واپس کر دی گئی ہو گی، مگر معلوم ہوا کہ تھانے کا عملہ بالعموم بردہ فروشی کا کام سرانجام دے لیتا ہے، عورت ان ہی کی وساطت سے گاؤ خورد ہو گئی۔

کیا تفتیش جرائم میں جھوٹ بولنا مناسب ہے۔ میری طبیعت پر بوجھ رہا کہ جو بات پورا کرنے کا ارادہ نہ تھا، میں نے وہ بات منہ سے کیوں کہہ دی؟ اسی طرح ایک اور مقدمہ میں، مَیں نے قرآن کے بجائے تعزیرات ہند سر پر اٹھا کر ملزم سے اقبالِ جرم کرا لیا۔ سرکاری کام نکل گیا، میری واہ واہ ہو گئی، مگر طبیعت مدت تک بے اطمینان رہی۔ قرآن بتا کر تعزیرات ہند قسم کے لیے سر پر اٹھائے، کیا ایسا شخص خدا کے غصہ سے بچ سکتا ہے؟ یہ شرعی حیلے ممکن ہے کہ زیادہ مواخذہ کا باعث ہوں۔

ڈکیتی:

ان دو مقدمات میں تو شان جمالی سے کام نکل گیا، ابھی شانِ جلالی کا ظہور باقی تھا۔ ایک گاؤں میں چوری کی رپٹ درج کی گئی، کئی ہزار کا سرقہ بتایا گیا، علاقہ کے مشہور بدمعاشوں کی فہرست ترتیب دی گئی تو معلوم ہوا کہ موقع واردات کے قریب ہی گاؤں میں ایک بڑا بدمعاش رہتا ہے۔ باوجود یہ کہ میرے پاس کافی جمعیت تھی، محض حماقت کر کے میں ایک کمزور سپاہی کو لے کر اس کی خانہ تلاشی کے لیے چل کھڑا ہوا۔ وہ بدمعاش یا تو کھڑا تھا یا مجھے چڑانے کے لیے چارپائی پر دراز ہو گیا۔ میں کھڑا، وہ لیٹا تھا اور لیٹے ہی لیٹے باتوں کا جواب دیتا رہا۔ گاؤں کے دو نمبردار موجود تھے، اس کی گستاخی دیکھ کر وہ بھی شوخ ہو گئے۔

مجھے ہیڈ کانسٹیبل تفتیش یاد آیا، اگر چماروں اور چوکیداروں سے معاملہ شروع کرتا تو یہ معرکہ پیش نہ آتا۔ صبح کو بھولا شام کو گھر آ جائے تو بھولا نہ جانیے کے مصداق، میں نے فوراً اس کی باقی نصائح پر عمل شروع کیا اور بالکل شیخ صاحب بن کر نرم ہوگیا۔ اب تو وہ اور بھی ماش کے آٹے کی طرح اکڑ گیا اور نمبردار پہلے سے زیادہ میرے حال پر ہنسنے لگے۔

بدمعاش اپنی فوقیت کا سکہ جمانے کے لیے کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا: ''تھانیدار صاحب تمھارے جیسے بیسیوں ہمارے شاگرد ہیں، ہمارے چرن لگے رہو گے تو تھانہ داری کر سکو گے، ورنہ اللہ بیلی کر دیے جاؤ گے''۔

میں نے انداز گفتگو اور بہتر بنالیا اور کہا: ''بے شک اسی لیے تو میں تمھارے مکان پر حاضر ہوا ہوں، تمھاری امداد کے بغیر کام میں کامیابی کیسے ممکن ہے''۔ وہ میرے خوشامدانہ بات سے بن پیے جھوم گیا۔ لاف زنی کرتا ہوا آہستہ آہستہ میرے ساتھ ہولیا، میں اس کے عالمگیر کارناموں کی داد دیتا ہوا موقع واردات تک لے آیا۔ وہاں چار پانچ سپاہی موجود تھے، میں نے کہا: ''لو بھئی! اب کان پکڑلو''۔ وہ میری طرف کمال استغنا سے دیکھ کر کہنے لگا: ''تھانے دار صاحب ہمارے ساتھ بھی ایسی باتیں''۔

اب بھیڑ بھیڑیا بن چکا تھا، مجھے خوشامد کی ضرورت نہ تھی۔ اس کی گستاخی کی بنا پر میں خون کے گھونٹ پی رہا تھا، آؤ دیکھا نہ تاؤ، تڑاخ سے اس کے منہ پر چپت لگائی۔ میرا ہاتھ ہلانا تھا کہ سپاہیوں نے جوتے اٹھا لیے، ''لے تیری کی دے تیری'' شروع ہوگئی۔ علاقہ کے بڑے بدمعاش کو پٹتا سن کر عورتوں نے گھروں کے دروازے بند کر کے بچوں کو چھاتیوں سے لگا لیا۔ بدمعاشوں کی تواضع جاری تھی، میں نے مغرب کی نماز ادا کی۔ بڑا اکڑی گردن کا آدمی تھا، کان پکڑنے سے برابر انکار کرتا رہا، مگر تا کجے مرتا کیا نہ کرتا۔ رات بارہ بجے بات مان گیا، یہ کہہ کہ کان پکڑ لیے کہ توبہ بھلی۔

کان تو پکڑ لیے، مگر بات مان کر نہ دے۔ اس تشدد کے بعد مقصد حل ہوتا نہ دیکھ کر میں اس سے مایوس ہوگیا، لیکن علاقہ کے ذیلدار نے بتایا کہ اس کی ایک داشتہ ہے، جس کا اس پر بڑا اثر ہے۔ صبح اسے بلایا، وہ مجھ سے ایسے مرعوب ہو گئی کہ آتے ہی کہنے لگی: ''مجھ پر ہاتھ نہ اٹھاؤ، مال مسروقہ میں دلائے دیتی ہوں''۔

کیا کہوں کہ عورت کی زبان میں کیا جادو تھا۔ ایک دفعہ کہا کہ مال دے دے، بدمعاش نے دوسری بات نہ کی۔ آگے آگے ہولیا۔ ایک اور بھی مقدمہ کا مال برآمد کرا دیا، اس واردات میں اس کے اور شریک کار بھی تھے۔ انھوں نے مجھے کی ہزار رشوت دینا چاہی، اس گروہ نے علاقہ بھر کو لوٹ رکھا تھا، ان کے حال پر کسی وجہ سے رحم مخلوق خدا پر ظلم تھا۔ رشوت اور سفارش سے بے پرواہ ہو کر میں نے چالان کر دیا۔ مجسٹریٹ علاقہ نے میری دیانت داری کی بے حد تعریف کی، اس گروہ کی سزایابی سے سرقہ کی وارداتوں میں کسی قدر کمی ہوگئی۔ (جاری ہے)

جماعت احمدیہ......تحریفات اور جعل سازیاں

قسط:۱

تحریر: عکرمہ نجمی، ترجمہ: صبیح ہمدانی

ایک جامع اور مکمل گفتگو...... مگر صرف ان احمدی دوستوں کے لیے جو اپنے اندر اتنی ہمت دیکھتے ہیں کہ حق کی خاطر سب کچھ چھوڑنے پر آمادہ ہوسکیں۔

میرے احمدی دوست! میں بھی جماعت کا ایک فرد ہوا کرتا تھا کہ پھر میں نے غیر جانبداری سے تحقیق اور مطالعہ کا آغاز کیا اور خدا تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ حق جہاں کہیں بھی ہوا میں اس کی پیروی کروں گا، اور الحمدللہ کہ مجھے اللہ نے اپنے فضل و کرم کی بدولت سیدھی راہ پر چلنا نصیب فرمایا۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ جرأت کر کے یہ مضمون پڑھیں گے اور اس دوران کسی تعصّب کو اپنے لیے رکاوٹ نہیں بننے دیں گے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ اس لیے کہ حق ہی اس کا حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ واللہ ولی التوفیق

میں مختصر طور پر چند اہم عبارتوں کو بطور مثال ذکر کرنا چاہوں گا جن میں احمدیت کے جانب سے کمی اور زیادتی جیسی تحریفات اور جعل سازیوں کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ ہر پڑھنے والے سے (خاص طور پر ہر مخلص احمدی سے) مجھے یہ توقع ہے کہ وہ ان مقامات کی تحقیق کرے گا اور جسے وہ مسیح موعود اور حکمِ عدل سمجھتا ہے اس کے دفاع کی سنجیدہ کوشش کرے گا۔ اس لیے کہ ان مقامات پر ناقابلِ تردید دلائل کے ذریعے احمدیت کی تحریفات اور جعل سازیوں کا ثبوت ملتا ہے۔

''تذکرہ'' بانی سلسلہ مرزا غلام احمد قادیانی کی وحی کا مجموعہ ہے، جس کے بارے میں مرزا صاحب نے کہا کہ جو کوئی اس کتاب میں سے کچھ بھی چھپائے وہ کمینہ ہے۔ اسی کتاب ''تذکرہ'' میں ''امام دین'' کی بیوی کے لیے مرزا صاحب نے ''بدکار'' کا لفظ استعمال کیا جسے تحریف کے طور پر حذف کر دیا گیا۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں: میں نے سوموار کی صبح کو دیکھا کہ امام دین کی بدکار بیوی مرگئی۔ (تذکرہ، صفحہ: ۶۰، طبع سوم، مؤرخہ: ۱۵ جنوری، ۱۹۰۶ء، مرزا صاحب کے الہامات والی کاپی سے منقول)

مرزا صاحب کا یہ خواب اور ایک پاک دامن عورت پر یہ تہمت تذکرہ کی پہلی اور دوسری طباعت میں شامل نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کے الہامات والی کاپی اس وقت لاپتہ تھی، جو کہ دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد دستیاب ہوئی چنانچہ اس میں سے تیسرے ایڈیشن میں اضافے کیے گئے (''تذکرہ'' عربی ایڈیشن، صفحہ: خ)۔

اس الہام کے پس منظر میں ایک ہوش رُبا اور ہولناک داستان ہے (یعنی محمدی بیگم سے مرزا صاحب کے نکاح کا قصہ)، جس کی وجہ سے اس الہام اور اس لفظ کی تحریف کے تناظر میں چند ہولناک باتیں ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱: مرزا صاحب کا (بلا ثبوت) پاک دامن عورتوں پر قذف و تہمت لگانا، جس کی سزا قرآنِ پاک کی آیت کے مطابق ۸۰ کوڑے ہیں۔ سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر اس الزام کے چار

گواہ پیش نہ کریں ان کو ۸۰ کوڑوں کی سزا دو اور ان سے کبھی آئندہ گواہی قبول نہ کرو، کہ یہ فاسق و نافرمان ہیں۔ (سورۃ نور:۴)

۲: مرزا صاحب کا اپنے چچا زاد بھائی مرزا امام دین اور اپنے بیٹے سلطان سے کینہ و نفرت، اس لیے کے مرزا صاحب کے بیٹے سلطان احمد نے اس ''بدکار عورت'' کی بیٹی سے شادی کر رکھی تھی، اور مرزا صاحب نے اپنے بیٹے کو اسی وجہ سے عاق کر دیا تھا کہ اس نے محمدی بیگم کے نکاح میں شرکت کی تھی۔ یہی نفرت اس بات کا سبب ہوئی کہ مرزا صاحب نے اپنی ہی بہو کی والدہ پر اتنا سنگین الزام عائد کیا۔

۳: جماعت احمدیہ نے طبع چہارم میں اس شرمناک عبارت کو سرے سے حذف ہی کر دیا، چنانچہ ''تذکرہ'' کے چوتھے ایڈیشن اور اس کے بعد کی سب اشاعتوں میں یہ عبارت نہیں پائی جاتی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ اسی ''بدکار عورت'' کی ایک پوتی قادیانی جماعت کے خلیفہ رابع کی زوجیت میں آ گئی۔ اور خلیفہ رابع ہی کے حکم سے ''تذکرہ'' کا چوتھا ایڈیشن تیار کیا گیا اگر چہ اس کی اشاعت ان کی وفات سے ذرا بعد ہوئی۔

۴: مرزا صاحب اپنی کتاب ''الاستفتاء'' میں کہتے ہیں: الہام کو چھپانا میرے نزدیک گناہ اور کمینوں کی سیرت ہے۔ مزید کہتے ہیں: حق بات کو وہی چھپاتا ہے جس پر بدبختی کی مہر لگائی جا چکی ہو۔ پس یہ مثال جماعت احمدیہ کے برخلاف بانئ سلسلہ کی اپنی گواہی ہے کہ جماعت نے اپنے بانی کی وحی کو چھپا کر کمینگی اور بدبختی کا ثبوت دیا۔

۵: یہ مثال اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مرزائی خلیفہ اپنے بانی سلسلہ کی جس وحی کو چاہے حذف کر سکتا ہے۔ جبکہ صرف یہی بات قادیانیت کا اعتبار ختم کرنے اور مرزا صاحب کے ناقابلِ اتباع ہونے کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

ایک دوسری تحریف:

دیکھیے اور اس تحریف کے ذمہ دار کو تلاش کیجیے۔ مرزا صاحب نے سنہ ۱۹۰۶ء میں ڈاکٹر عبدالحکیم کے نام خط میں لکھا: خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے، اور خدا کے نزدیک قابل مؤاخذہ ہے۔ (تذکرہ اردو ایڈیشن: طبع چہارم، صفحہ: ۵۱۹)

یہ عبارت اس قدر واضح ہے کہ اس کا کوئی دوسرا مطلب نکالنا ممکن ہی نہیں ہے۔ مگر جماعت احمدیہ کے عرب دفتر کے ڈائریکٹر اور ''تذکرہ'' کے عربی مترجم نے اس کا ترجمہ کچھ یوں کیا: ''**لقد كشف الله علی أنَّ كلًّ من بلغته دعوتی ولـم يـصدّقنی فهو عرضة للمؤاخذة عند الله تعالی، وإن كان من المسلمين ("تذکرہ" عربی اشاعت، طبع اول، سنہ ۲۰۱۳ء)**

یعنی مجھ پر اللہ نے ظاہر کیا ہے کہ جس کو بھی میری دعوت پہنچی اور اس نے میری تصدیق نہ کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مؤاخذے کے لیے پیش ہوگا، خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

اس تحریف کے بارے میں کم از کم یہ بات تو طے ہے کہ اس کا سہواً ہونا ممکن نہیں ہے۔ کسی شخص سے جو اردو کے بارے میں معمولی سا علم بھی رکھتا ہو پوچھ کر دیکھ لیجیے، بلکہ جسے اردو کا ایک حرف بھی نہ آتا ہو وہ بھی یہ جان سکتا ہے، کیونکہ دونوں عبارتوں کو آمنے سامنے رکھ کر دیکھا جا سکتا ہے کہ ''اور خدا کے نزدیک قابلِ مؤاخذہ ہے'' کے الفاظ بالکل علیحدہ اور ایک

کو نے میں ہیں، ان کا اصل حکم سے کوئی تعلق نہیں (یعنی مرزا صاحب کی تصدیق نہ کرنے والے کے لیے مرزا صاحب کا اصل حکم یہی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے، ضمناً یہ بھی بتا دیا کہ وہ قابلِ مؤاخذہ بھی ہے)۔

اور چونکہ ہم ''تذکرہ'' کے عربی مترجم کو اچھی طرح سے جانتے ہیں اس لیے ہمیں یہ تو بالیقین معلوم ہے کہ وہ ایسی فاحش غلطی کر ہی نہیں سکتے۔ اسی طرح ان کے بارے میں یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ وہ خلیفۂ وقت سے مراجعت کیے بغیر اپنے آپ کوئی فیصلہ کبھی نہیں کرتے، چنانچہ ہمیں یقین ہے کہ یہ تحریف مرزائی جماعت کے خلیفۂ وقت کے علم اور پوری رضامندی کے بعد وجود میں آئی ہے۔ کوئی بھی احمدی اگر اس کی تحقیق کرنا چاہے تو براہِ راست جماعت احمدیہ کے عرب دفتر کے ڈائریکٹر اور ''تذکرہ'' کے مترجم سے خود پوچھ سکتا ہے، کہ ان سے رابطہ کرنا معروف و مشہور ہونے کی وجہ سے بالکل آسان ہے۔

پروفیسر ہانی طاہر جو کہ پہلے جماعت کے عرب دفتر کے رکن رہے ہیں اور انھوں نے ڈائریکٹر کے ساتھ مل کر بذات خود بھی اس ترجمے کے عمل میں بہت سا کام کیا ہے، انھوں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے: ''جس بات سے میرے شبہات کو تقویت ملی کہ ''تذکرہ'' میں تحریف کی جا رہی ہے، وہ یہ تھی کہ میرے پاس ''تذکرہ'' کے عربی ترجمہ کے ابتدائی مسوّدات موجود ہیں اور ان میں یہ عبارت سرے سے موجود ہی نہیں ہے،...... گویا مترجم نے جان بوجھ کر اس عبارت کا ترجمہ اوّلاً کیا ہی نہیں تھا، تا کہ وہ خلیفہ مرزا مسرور احمد سے اس مشکل کا حل دریافت کر سکے اور اس سے پوچھ سکے کہ وہ ترجمے کے نام پر تحریف کر سکتا ہے یا نہیں''۔ پروفیسر ہانی نے مزید تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ: ''مجھے یاد ہے کہ میں مرزا صاحب کی کتاب ''حقیقت الوحیٰ'' کا مطالعہ کر رہا تھا کہ مجھے اس میں ''تذکرہ'' کے اس ترجمے کے بالکل برعکس بات نظر آئی، جب میں نے دونوں کتابوں کا تقابلی مطالعہ کیا تو مجھے شدید تضاد و تناقض کا ادراک ہوا، اس وقت مگر میرے ذہن میں یہ امکان نہ آیا کہ یہ تحریف اور جعل سازی کا شاخسانہ ہو سکتا ہے اس لیے کہ جماعت احمدیہ کے بارے میں یہ گمان بھی میں نہ کر سکتا تھا۔ جب میں نے اپنے دفتر کے کار پردازان سے اس بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فوراً اس کی تصحیح کر دی، لیکن ''تذکرہ'' (عربی ایڈیشن) اس وقت تک شائع ہو چکی تھی اور آج کوئی بھی شخص جس کے پاس اس کا کوئی نسخہ ہو وہ کتاب کے صفحہ ۶۶۲ پر یہ تحریف شدہ جعلی ترجمہ پڑھ سکتا ہے''۔

تکفیر کا مسئلہ بذاتِ خود جماعت احمدیہ کے لیے ایک پیچیدہ معاملہ ہے۔ اس لیے کہ قادیانی فرقہ پوری دنیا کے سامنے عامۃ المسلمین کی جانب سے ان کو کافر قرار دینے کو شدید ظلم اور زیادتی کے طور پر پیش کرتا ہے، جبکہ ان حقائق کی روشنی میں جماعتِ احمدیہ کا عام مسلمانوں کی جانب سے خود کو کافر قرار دیے جانے پر احتجاج کرنا بے وقوفی بھی لگتا ہے اور بے معنی بھی۔

بے معنی تو اس طرح کہ کیا جماعت احمدیہ ان لوگوں کی تکفیر پر احتجاج کر رہی جو خود جماعت کے نزدیک کافر ہیں؟ سوال یہ ہے کہ کہ اگر کافر لوگ ہی جماعت احمدیہ کو کافر قرار دے رہے ہیں تو اس پر جماعت کو کیا اعتراض ہے؟ بھلا اگر عام کافر (مثلاً یہودی یا عیسائی) ہمیں کافر قرار دیں تو اس سے ہمیں افسوس ہوگا؟ اور بے وقوفی اس طرح کہ قادیانی عام مسلمانوں سے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ انھیں بھی مسلمان سمجھا جائے، تو کیا یہ ان لوگوں سے اسلام کا فتویٰ لینا چاہتے ہیں جو ان کے مسیح موعود کی اتباع ہی نہیں کرتے؟ کیا مسیح موعود اتنا گیا گزرا ہے کہ اس کی پیروی نہ کرنے والوں کا فتویٰ بھی معتبر ہو؟ منکرِ مسیح موعود سے اپنے مسلمان ہونے کی گواہی لینے کی کیا ضرورت ہے؟ (جاری ہے)



نام کتاب: ''مختصر سیرت نبوی (سیرۃ الحبیب الشفیع من الکتاب العزیز الرفیع)'' **مؤلف:** حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی قدس سرہ **تسہیل وتدوینِ نو:** ڈاکٹر ضیاء الحق قمر **ضخامت:** ۱۲۸ صفحات **ناشر:** جامعہ فتحیہ، اچھرہ لاہور

اردو زبان کی خوش قسمتی رہی ہے کہ عربی کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ اسلامی کتابیں بالخصوص سیرتِ نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تالیفات اسی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب بھی اسی نوعیت کی ایک قابلِ قدر کتاب ہے، جو کئی اعتبار سے تاریخی اہمیت کی حامل ہونے کے باوصف ایک عرصہ سے گوشۂ گمنامی میں تھی مگر اب جسے فاضل محقق جناب ڈاکٹر ضیاء الحق قمر (عافی اللہ اِیّاہ و اِخوتہ) کی محنت کی بدولت نئے سرے سے منصۂ شہود پر آنے کا موقع ملا ہے۔

کتاب کے مؤلف امام اہلِ سنّت کے لقب سے بجاطور پر معروف ہیں، آپ کی ساری زندگی حضور ختمی مرتبت سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی اور آپ کے اصحابِ گرامی کے مکارم وفضائل کے بیان اور دفاع میں گزری۔ زیرِ نظر کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ سیرت نبویہ کے سب سے پہلے مصدر قرآن مجید کو بطورِ خاص ذریعۂ معلومات بنا کر تالیف کی گئی ہے۔ خود مؤلّفِ مرحوم فرماتے ہیں: ''یہ مختصر سیرت جو محض نمونے کے طور پر کتاب عزیز رفیع یعنی قرآن کریم سے اقتباس کر کے لکھی گئی ہے......''۔ سچ بات یہ ہے کہ قرآن کریم کو مصادرِ سیرت میں بنیادی اور حیثیت حاصل ہونے کے باوجود عام طور پر سیرت نگاروں کے ہاں وہ اہمیت نہیں دی جاتی جتنی ثانوی نوعیت کے مراجع کو ملتی ہے، اس حوالے سے حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی کی یہ سعیٔ مقبول اہمیت کی حامل ہے۔

اسی طرح کتاب کی تالیف کے زمانے میں (کتاب ۱۳۱۳ھ/۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی) مستشرقین اور ان کے متاثرین کی جانب سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس پر اعتراضات کا سلسلہ بھی شروع ہو کر ہندستان تک پہنچ چکا تھا چنانچہ دورانِ تالیف یہ پہلو بھی حضرت مولانا کے ملحوظِ نظر رہا اور انھوں نے اس اہم موضوع کے تقاضوں کو بھی نبایا۔

کتاب ایک مقدمے چار ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ فاضل محقق کی جانب سے کتاب کے شروع میں صاحبِ تالیف کے سوانحی حالات اور آخر میں مفصل اشاریے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ البتہ تالیف وتحقیق میں جن مصادر ومراجع سے استفادہ کیا گیا ہے اگر ان کی ایک مختصر فہرست کا اضافہ کر دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ اسی طرح جدید عربی مطبوعات کے

اسلوب کے مطابق مشمولات کی فہرست کو بھی کتاب کے آخر میں درج کیا گیا ہے، جبکہ اردو میں رائج چلن یہ ہے کہ محتویاتِ کتاب کی فہرست شروعِ کتاب میں ہی مندرج ہوتی ہے اور اردو کا قاری اسی سے مانوس ہے۔

فاضل محقق نے تحقیق کے جدید ترین معیارات کی پیروی کے ساتھ ساتھ کتاب کی عبارت تبدیل کیے بغیر زبان کو بھی آسان کرنے کی کوشش کی ہے جو تقریباً ایک سو سال پہلے کے بہت سے الفاظ وتراکیب پر مشتمل ہونے کی وجہ سے آج کے قاری کے لیے کہیں کہیں مشکل ہو سکتی تھی۔ اس سلسلے میں حاشیہ پر کہیں الفاظ کا مطلب اور کہیں عبارات وتراکیب کو آسان تر اردو میں نئے سرے سے لکھ کر کم سواد قاری کے لیے بھی کتاب کو قابلِ فہم بنا دیا گیا ہے۔

سنجیدہ خوبصورت سرورق، مضبوط کارڈ کی جلد، عمدہ درآمدی سفید کاغذ، سرخ وسیاہ دورنگی طباعت اور حواشی پر تذہیب کی وجہ سے کتاب معنوی محاسن کے ساتھ ساتھ صوری لطافتوں سے بھی آراستہ وپیراستہ ہے۔ اور ان خصوصیتوں (ان میں سے بھی علی الخصوص اختصار و وثوق) کی وجہ سے کتاب بہت قیمتی اور ہر مسلمان کے کتب خانہ کی زینت بننے کے لائق ہے۔

نام کتاب: اصحابِ بدر کا اجمالی تعارف (النور المبین فی جمع اسماء البدریین) **تالیف:** شیخ الاسلام مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی سندھی **ترجمہ:** مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی **ضخامت:** ۱۳۶ص **ناشر:** قاضی احسان اکیڈمی، شجاع آباد 0300-4385230

غزوۂ بدر الکبریٰ تاریخ اسلام کے روشن ترین ایام میں سے ایک دن ہے کہ جس دن دنیا والوں کے سامنے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ طے ہو گیا کہ فتح وشکست کا فیصلہ اب اسباب وآلات کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایمان وتقویٰ کی بنیاد پر طے ہوگا۔ اس مبارک روز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں یوم الفرقان قرار دیا ہے۔ اور اس مقدّس معرکے میں شرکت کرنے والے خوش بخت مجاہدین کو تاریخِ اسلام کے سب سے معظّم اور رفیع الشان ہستیاں قرار دیا۔

زیرِ تبصرہ کتاب شیخ الاسلام مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی سندھی قدس سرّہٗ کی تالیف منیف ہے جس میں حضرت نے اصحاب بدر کے اسمائے مبارکہ کو الفبائی ترتیب کے مطابق جمع کیا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام بارھویں صدی ہجری میں اسلامی علمی روایت کے چند انتہائی قدآور اکابر میں سے ایک ہیں اور ان کی فقہی وحدیثی تالیفات ورسائل کے معمولی مطالعے سے ہی ان کے علمی رسوخ اور ثقاہت کا بلند پایہ معلوم ہو جاتا ہے۔

یہ کتاب اس سے پہلے عربی زبان میں مولانا سلیم اللہ سندھی مدظلہ کی تحقیق وتحشیہ سے شائع ہو چکی ہے اور اب اس کا ترجمہ نشر کیا گیا ہے۔ حضرت مخدوم قدس سرہ نے اس کتاب میں اصحاب بدر علیہم الرضوان کے صرف اسمائے مبارکہ کو اکٹھا کیا، اس سلسلے میں صحیح بخاری میں وارد شدہ اسمائے اصحاب بدر کو اصل اور اساس بنا کر دوسری کتبِ سیرت وحدیث سے

مزید اسماء کا اضافہ کیا، اسی طرح اسماء کے ضبط کے لیے ضبط بالحروف کے محتاط طریقے کو بروئے کار لاتے ہوئے، ان ناموں کے تلفظ کی درست ادائیگی کو محفوظ فرمایا۔ جس کے بعد مولانا سلیم اللہ سندھی مدّ ظلہ نے اس پر حاشیے میں عربی زبان میں سب اصحابِ گرامی رضی اللہ عنہم کے مختصر حالاتِ زندگی کا اضافہ کیا۔ ہمارے محترم مہربان جناب مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے اس کتاب کی اہمیت اور وقعت کے پیشِ نظر اس کو ترجمہ کے لیے منتخب کیا اور عالمی مجلس تحفّظ ختم نبوّت کے ترجمان ماہنامہ ''لولاک'' میں سلسلہ وار شائع کرنا شروع کیا۔ ترجمہ مکمل ہونے کے بعد اب اسے کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

کتاب کے شروع میں معروف محقق اور فاضل عالمِ دین بلکہ محققین اور فضلاء کے استاذِ زمانہ جناب مولانا محمد ادریس سومرو زید مجدہ کا مقدّمہ بھی شامل ہے۔ جو اصل میں عربی ایڈیشن کے لیے لکھا گیا مقدمہ ہے اور اردو ترجمے کی اشاعت کے لیے اس میں ہی اضافات کیے گئے ہیں۔

نام کتاب: مولانا مفتی محمود کی خدمت میں منظوم خراجِ تحسین **مرتّب:** ماسٹر امجد اقبال ساجد **ضخامت:** ۱۲۸ صفحات

ناشر: قاضی احسان اکیڈمی، شجاع آباد۔ **0300-4385230**

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود علیہ الرحمۃ جمعیت علمائے اسلام کی عظیم الشان قیادت کی فہرست میں بھی سب سے نمایاں شخصیت تھے۔ لگ بھگ پون صدی پر مشتمل ان کے فعال سیاسی کردار کے نتیجے میں وہ ملّت اسلامیہ پاکستان کے محترم قائد کے طور پر مسلّم مقام پر فائز ہوئے۔

ان کے حینِ حیات بھی شعراء وادباء نے ان کے مقاماتِ عالیہ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے نظم ونثر میں ان کے محاسن کو سپردِ قلم کیا، اور جب ان کا انتقال ہوا تو بہت سی شعری ونثری تخلیقات منظرِ عام پر آئیں جو حضرت مولانا مفتی محمود کی شخصی خوبیوں، آپ کے مجاہدانہ کردار اور آپ کے ناگہانی انتقال پر رثاء وتعزیت کے موضوعات پر مشتمل تھیں۔

زیرِ نظر کتاب ماسٹر امجد اقبال کی ترتیب سے انھی شعری تخلیقات پر مشتمل ہے۔ محترم مرتّب اس سے پہلے اسی طرز کی ایک اور کتاب بھی ترتیب دے چکے ہیں جس میں حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدّس سرہ کی شخصیت کے حوالے سے لکھی جانے والی منظوم تخلیقات کو یکجا کیا گیا تھا۔

کتاب کے شروع میں، مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبدالقیوم حقانی اور مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی مدّ ظلّہم کی تقاریظ اور تأثراتی مضامین شامل ہیں۔ منظوم تخلیقات دو ابواب میں منقسم ہیں؛ پہلا باب ان منظومات کا مجموعہ ہے جو حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے زمانۂ حیات میں شائع ہوئیں، جبکہ دوسرے باب میں آپ کے انتقال کے بعد کی

شعری تخلیقات کو یکجا کیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں احسان دانش، مرزا غلام نبی جانباز، سید امین گیلانی، اختر کاشمیری، اکرام القادری، گوہر ملسیانی، مولانا عبدالحلیم کلاچوی اور نسیم لیہ کے اشعار کے ساتھ ساتھ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی، مولانا عبدالمنان، عبدالحئی رحمانی اور کفایت اللہ کے عربی اور فارسی مراثی وقصائد بھی شامل ہیں۔

ان قابلِ قدر تخلیقات کے یکجا ہو جانے سے کتاب ایک تاریخی ذخیرہ کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے محبان اور جمعیت علمائے اسلام کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے احباب کے لیے یہ کتاب ایک اہم مصدر ومرجع بن سکتی ہے۔



مسافرانِ آخرت

★ مجلس احرار اسلام کے مرکزی نائب امیر ملک محمد یوسف صاحب کے چھوٹے بھائی محمد الیاس (لاہور) 2 رنومبر کو انتقال کر گئے۔ سید محمد کفیل بخاری اور قاری محمد قاسم نماز جنازہ میں شریک ہوئے ملک محمد یوسف صاحب اور ان کے برادران سے اظہارِ تعزیت کیا۔

★ مجلس احرار اسلام ملتان یونٹ قاسم بیلہ کے کارکن بھائی محمد عباس کے چچازاد بھائی 8 رنومبر کو انتقال کر گئے۔

★ مجلس احرار اسلام چناب نگر کے ناظم نشر واشاعت عبدالمجید زمان کے کمسن بیٹے 14 رنومبر کو انتقال کر گئے۔

اللہ تعالیٰ سب مرحومین کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ آمین

دعاءِ صحت

★ قائد احرار، ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

★ مجلس احرارِ اسلام ملتان کے سرپرست اور رکن مرکزی مجلس شوریٰ صوفی نذیر احمد

★ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند گرامی جناب خواجہ رشید احمد صاحب

★ لاہور کے بزرگ احرار کارکن چودھری محمد اکرام صاحب

★ مدرسہ معمورہ ملتان کا سابق طالب علم حافظ محمد اویس سنجرانی

★ مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم کارکن محمد یعقوب خان خواجکزئی

★ ملتان میں ہمارے کرم فرما پروفیسر محمد ایوب خان علیل ہیں

★ چیچہ وطنی، پیر جی عبداللطیف رحمہ اللہ کے پوتے، پیر جی عبدالجلیل مدظلہٗ کے فرزند خلیل الرحمٰن علیل ہیں

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مریضوں کی صحت یابی کے لیے دعاء فرمائیں، اللہ تعالیٰ سب کو شفا کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

اشاریہ ''نقیبِ ختم نبوت'' (2018ء)

مرتب: محمد یوسف شادؔ

تحریکِ مدح صحابہؓ.....نواب لیاقت علی خان مرحوم کی تائیدی تقریر	خطاب: لیاقت علی خان مرحوم	//	34
اکابرِ احرار اور قائدِ پاکستان جناب محمد علی جناح (قدیم سیاسی روابط اور چند خوشگوار ملاقاتوں کا اجمالی تذکرہ)	ماسٹر تاج الدین انصاری رحمہ اللہ	دسمبر	35

گوشہ امیرِ شریعتؒ:

امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ.....ایک ہمہ جہت شخصیت	ڈاکٹر عمر فاروق احرار	مارچ	42
شبِ تاریک میں کرتے ہو سحر کی باتیں	عبدالمنان معاویہ	//	45
میرے شاہ جی	سمیع اللہ ملک	اگست	31
تحریکِ ختم رسول اور امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ	مرزا غلام نبی جانباز مرحوم	ستمبر	36

حسنِ انتقاد (تبصرۂ کتب):

جنوری: نام کتاب: ڈاکٹر سید شیر علی شاہ مدنیؒ مرتب: مولانا نوراللہ فارانی ص۵۵
نام کتاب: افادات وملفوظات عزیزیہ انتخاب: عتیق الرحمٰن ص۵۵
فروری: نام کتاب: نعم الوجیز فی اعجاز القرآن العزیز (عربی) تالیف: حضرت مولانا عبدالعزیز پرہارویؒ
تحقیق وتعلیق: مولانا مفتی محمد عبداللہ شارق ص۵۹
مئی: نام کتاب: پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ سلوک مصنف پروفیسر ڈاکٹر محمد مشتاق کلوٹا ص۵۹
نام کتاب: اذانِ بلال شاعر: مولانا خلیل احمد مخلص ص۵۹
جون: نام کتاب: تلخیص فضل باری تحریر: شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تلخیص: حضرت مولانا ولی محمدؒ ص۵۶
نام کتاب: سیرت سیدنا عثمان ذوالنورینؓ تالیف مولانا ثناء اللہ شجاع آبادی ص۵۷
جولائی: نام کتاب: وہ پروانے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تالیف: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی ص۶۲
اگست: لبیک اللّٰھم (سفرنامۂ عمرہ) تحریر: آمنہ عبدالشکور ص۶۱
ماہنامہ ''المدینہ'' خصوصی اشاعت: خدمت خلق اور کفالتِ عامہ تعلیمات نبوی کی روشنی میں ص۶۱
ستمبر: نام کتاب: حیات انوری، سوانح، ارشادات و مکتوبات مؤلف: ابوحذیفہ عمران فاروق
ترتیب وحواشی: محمد راشد انوری ص۲۷
اکتوبر: ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا کی ''متاعِ قلیل'' تأثر وتبصرہ: محمد احمد حافظ
دسمبر: نام کتاب: ''مختصر سیرت نبوی (سیرۃ الحبیب الشفیع من الکتاب العزیز الرفیع)''
مؤلف: حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی قدس سرہ تسہیل وتدوینِ نو: ڈاکٹر ضیاء الحق قمر
ضخامت: ۱۲۸ صفحات ناشر: جامعہ فتحیہ، اچھرہ لاہور ص۵۲
نام کتاب: اصحابِ بدر کا اجمالی تعارف (النور المبین فی جمع اسماء البدریین)
تالیف: شیخ الاسلام مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی سندھی ترجمہ: مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی ضخامت: ۱۳۶ص
نام کتاب: مولانا مفتی محمود کی خدمت میں منظوم خراجِ تحسین مرتّب: ماسٹر امجد اقبال ساجد ضخامت: ۱۲۸ص

ترحیم (مسافرانِ آخرت) :

جنوری: مجلس احرار اسلام ملتان کے سابق نائب امیر چودھری عبدالجبار مرحوم انتقال 28 نومبر
مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن محمد شاکر خان خاکوانی کی والدہ ماجدہ انتقال 4 دسمبر
سید غلام مصطفٰی شاہ صاحب (عبدالحکیم) کی رضائی بہن انتقال 6 دسمبر
مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن شیخ محمد عاطف کی والدہ ماجدہ انتقال 8 دسمبر

فروری: حضرت مولانا عبدالرحیم دھرم کوٹی ملک محمد حنیف (لاہور)
قاری ظہور رحیم عثمانی کی سالی اور مدرسہ معمورہ کے طالب علم محمد معاویہ کی والدہ مرحومہ

مارچ: مولانا مفتی محمد انور رحمۃ اللہ علیہ انتقال 9 فروری حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری رحمہ اللہ انتقال 13 فروری
مولانا رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ انتقال 17 فروری

اپریل: زاہد حسین قریشی (ڈیرہ غازی خان) انتقال 8 فروری
حاجی عبدالعزیز (احمد سویٹس والے) کی اہلیہ انتقال 25 مارچ
ساہیوال کے سینئر صحافی راغب علی انتقال 26 مارچ

مئی: بھوئی گاڑ ٹیکسلا کے مولانا حسین احمد قریشیؒ انتقال 12 اپریل
حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ انتقال 30 اپریل، ملتان کے عظمت علی تگہ (ایڈووکیٹ) انتقال 30 اپریل

جون: مدرسہ معمورہ دار بنی ہاشم کے پڑوسی قاری سیف الدینؒ کی اہلیہ انتقال 23 مئی
جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرورؒ گزشتہ ماہ انتقال کر گئے

جولائی: شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ کی بہو، شیخ نیاز احمد (سٹینڈرڈ بیکری ملتان) کے پھوپھی زاد
عابد مسعود ڈوگر کے برادرِ نسبتی پروفیسر محمد امجد ڈوگر، انتقال 7 جون

اگست: مجلس احرار اسلام سیالکوٹ کے کارکن طلعت محمود بٹ کے جواں سال بیٹے انتقال 2 جولائی
17 کسی ملتان کے حاجی ثقلین کھیڑا مرحوم کی والدہ ماجدہ انتقال 21 جولائی

ستمبر: (برمنگھم) ندیم عمر کی والدہ ماجدہ 4 اور 5 اگست کی درمیانی شب لاہور میں انتقال کر گئیں
مجلس احرار اسلام چشتیاں کے امیر علی اصغر کے سسر جناب علاؤالدین انتقال 22 اگست

اکتوبر: ملتان: قاری محمد حنیف جالندھری کے پھوپھا عبداللطیف اختر مرحوم، انتقال 14 ستمبر
لاہور: مرزا غلام نبی جانباز مرحوم کی بہو اور جناب خالد جانباز کی اہلیہ انتقال 16 ستمبر

نومبر: سید غلام مصطفٰی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، انتقال 8 اکتوبر (مقامی ہسپتال ملتان)
مولانا عزیز احمد دامت برکاتہم (خانقاہ سراجیہ) کے داماد ملک قیصر سہیل، انتقال 21 اکتوبر

دسمبر: ملک محمد یوسف کے بھائی محمد الیاس رحمہ اللہ، انتقال 2 نومبر لاہور
مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن بھائی عباس کے چچا زاد، انتقال 8 نومبر
مجلس احرار اسلام چناب نگر کے ناظم نشر و اشاعت عبدالمجید زمان کے کمسن بیٹے، انتقال 14 نومبر

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور سودی قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) ...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو گا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲)...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہو گیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپکے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتبہ مولانا محمد امین مرحوم معلم اسلامیات، فیصل آباد